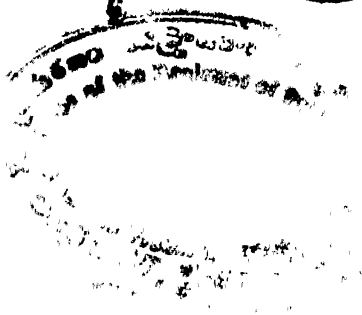




رشتوں کی مہر



جُز تشنہ لبی دوستو! کس شے کی کمی ہے
”رشتوں کی مہر“ تو مرے تنِ مَن میں بسا ہے

صلاح الدین نیئر

CC. 150
215

جلد حقوق بہ حق مصنف محفوظ ہیں

مارچ و سن اشاعت : ۱۵ اگست ۱۹۸۶ء

بار اور : ایک ہزار

رکابت : محمد عارف الدین

طباعت : اعجاز پرنٹنگ پریس - چھتہ بازار - حیدر آباد

قیمت : ۱۶ روپے

ناشر : مکتبہ شعر و حکمت ۸۶۵ - ۶ - ۱۱ ریڈ ہلز - حیدر آباد

ٹائٹل طباعت : انتخاب پریس جواہر لال نہرو روڈ

مالی اعانت امداد کی ڈمی آندھل پر دیش - حیدر آباد

CC. 150
215

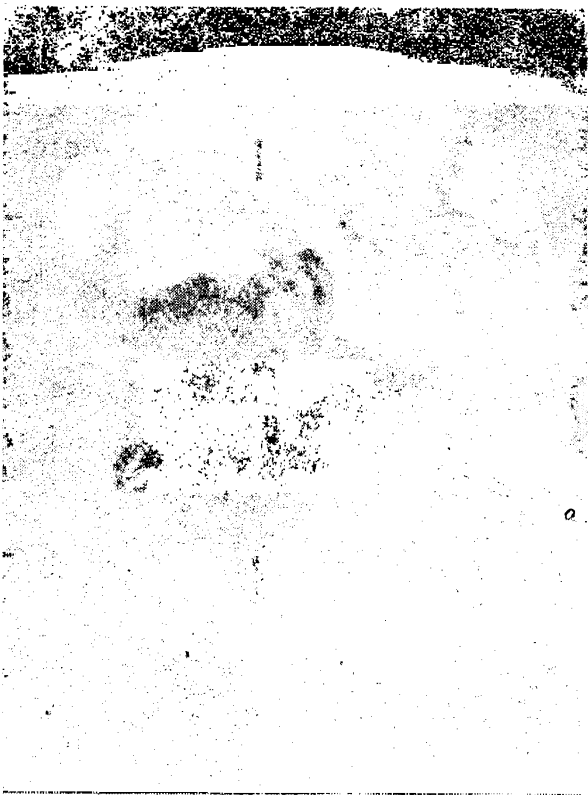
ملنے کے پتے

۱۔ حسامیہ بک ڈپو، محللی کمان، چارمینار - حیدر آباد

۲۔ الیاس ٹویڈرس، شاہ علی بندہ - حیدر آباد

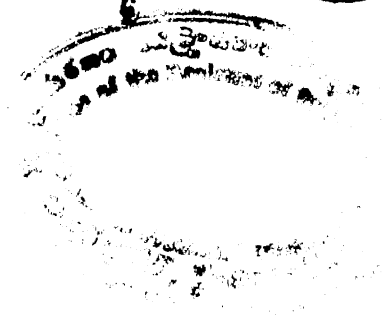
مصنف، ۳۴۴ - ۶ - ۲۰ بازار روپ لاں - حیدر آباد ۲۶۵-۵۰۰

A. No.
215



صلاح الدين زير

رشتوں کی مہر



جز تشنہ لبی دوستو! کس شے کی کمی ہے
”رشتوں کی مہر“ تو مرے تن میں بسا ہے

صلاح الدین نیئر

انتساب

زندگی کے اُن اچھوتے لمحوں کے نام جن کی جھلک
 ”مکلی تازہ کی طرح“ خوشبو کا سفر طے کر رہی ہے

صلاح الدین نیئر

ترتیب و ترتین

پیرہنِ گل

۶

- عابد علی خاں مدیر سیاست • پروفیسر ابو ظفر عبدالواحد • ڈاکٹر سیدہ جعفر
- ڈاکٹر حسینی شاہد • ڈاکٹر راج بہادر گوڑ • ڈاکٹر سری رام شرما اور
- پروفیسر مفتی تبسم

۱۶

مُصنّف

اپنی بات

۱۸

نعتیں

۲۲

غزلیں

نظمیں

۷۰

حیدر آباد

۷۱

سہیلی کی پہلی سالگرہ

۷۳

چشم انتظار

۷۵

دور بھی ہو پاس بھی ہو

۷۶

دلوں کے آئینے

۷۷

نقوش

۷۸

اعزاز

۸۰

ایک صبح کے نام

۸۱

بھلے لوگ

- ۸۳ _____ کل کا ہندوستان
- ۸۵ _____ عابد علی خاں صاحب (صحافتی الوارڈ)
- ۸۷ _____ اظہر الدین کی تاریخی کامیابی پر
- ۸۹ _____ قلی قطب شاہ
- ۹۰ _____ دفا شناس نگاہیں
- ۹۱ _____ بھاگ متی - اپنے آسگن میں
- ۹۲ _____ جواہر لال نہرو
- ۹۷ _____ پس دیوار شب (اندر اگانڈھی)
- ۹۸ _____ اندر اگانڈھی
- ۱۰۲ _____ ڈاکٹر زور (سید محی الدین قادی زور)
- ۱۰۳ _____ متاع لوح و قلم (فیض احمد فیض)
- ۱۰۶ _____ خراج عقیدت (شاذ تمکنت)
- ۱۰۷ _____ اک چراغ اور بجھا
- ۱۰۹ _____ مٹی، انجیا - انداز گفتگو میں شرافت و کن کی تھی
- ۱۱۱ _____ پھولوں کی داستان ہے ہندوستان ہمارا
- ۱۱۳ _____ بنار شک فردوس ہندوستان
- ۱۱۵ _____ مجھے بہت عزیز ہے مرا وطن مرا وطن
- ۱۱۷ _____ میرے پیارے وطن میرے ہندوستان
- ۱۱۹ _____ ہم کو پیارا اپنا وطن ہے
- ۱۲۰

پیرا بن گل

کئی دفعہ مجھے نیٹر سے کہنا پڑا کہ مرو جینی ٹائیڈ کی سالگرہ تقریب منعقد ہو رہی ہے، آریہ بھٹ نضا میں داغا گیا ہے، شہر میں کرفیو ہے، جید آباد کی تہذیب متاثر ہو رہی ہے۔ نیا سال آرہا ہے اور تمہیں شعر کہنا ہے۔ نیٹر نے ہر ایسے موقع پر شعر کہے ہیں۔ محفلوں میں پڑھا ہے اور خوب داد و تحسین حاصل کی ہے۔ نیٹر کی شاعری اسی خصوصیت سے ہمارت ہے۔

نیٹر کی شاعری کے بارے میں نقاد اور شاعر، تنقید و تمجید کرتے رہیں گے۔ مجھے صرف ایسے شاعر کا تعارف کرانا ہے جو ایک اچھا شاعر ہے۔ مشاعروں کا لازم و ملزوم ہے۔ ”سیاست“ کے حصہ شعر کی ترتیب میں وہ مسلسل تعاون کر رہے ہیں اور ان سب سے زیادہ ادبی ٹرسٹ اور بک ڈپو کے کام میں وہ تنہا میرے معلون ہیں۔ ان کی زندگی کا بڑا حصہ شعر و ادب کی خدمت میں گزرتا ہے اور ان کی ”سیاست“ سے شروع ہو کر شام یہیں ختم ہوتی ہے۔

(عابد علی خاں مدیر سیاست)



آج کی صحبت میں، میں اپنے ایک بہت ہی بے صبرے اور شاگردوں

میں سب سے کم سن شاگرد صلاح الدین نیئر کے متعلق کچھ کہنا چاہتا ہوں۔
مجھے خوشی ہے کہ نیئر کی شاعری اور اس کی چاہت کا کھل تازہ "آج میرے ہاتھوں
برافگندہ ہو رہا ہے۔ نیئر بڑے اچھے عزائم اور صلاحیتوں کا نوجوان ہے۔
شعر و شاعری سے اسے شغف ہی کیا عشق ہے۔ نیئر اپنی سیاب و شمی ہی کی بدولت
اپنے سن سے سوانام کمایا ہے اور بہت جلد خاصا مقام حاصل کر لیا ہے۔ نیئر بڑا ہی
ذہین اور بے حد فطین شاعر ہے۔ اس کی شاعری چاہت اور پیار کی شاعری ہے۔
پیار کرنا بڑی بات ہے اور سب سے اعلیٰ و ارفع پیار وہ ہے جس کی تان ناکامی و
ناآسودگی پر لٹے۔

نیئر کو چڑھ موئن کا رہ نور دے۔ یہ انکشاف میں نے اس کے شاندار
دیباچے (سرگزشت دل) اور بین السطوری مطالعے ادا ان کی غزلوں کی داخلی
شہادتوں سے کیا ہے۔ نیئر کا اسلوب اس کا طریقہ اظہار اس کی ماجرائی غزلوں
میں بے حد محتاط اور بلیغ ہے۔ نیئر ایک پُر وقار شاعر ہے۔ اس کی ذاتی شرافت
اسے بے حجابی کی طرف نہیں اگالتی۔ وہ سختی سے ان روایات کا پابند ہے جو اسے
فطری طوے پر میسر اور غالب سے ملی ہیں۔ نیئر کی بڑی شاندار اٹھان ہے اس کے
کلام میں عشق اور عفت فن سے متعلق تیز اور چمکتے ہوئے شعر آپ کو جا بہ جا ملیں گے

پروفیسر ابو خضر عبد الواحد

غزل کی بے پناہ موہنی ہر دور میں ہر درجے کے شاعروں کو مسحور کرتی رہی
ہے، اس دور میں بھی جب مقصدیت، مادیت اور سماجی حقیقت نگاری کے اظہار میں
غیر متوازن اور غیر معتدل رویہ اختیار کر لیا گیا تھا، غزل کی مقبولیت پر آئینہ آنے والی تھی

اس کے اشاروں اور اس کی علامتوں میں جو وسعت، ہمہ گیری، اثر انگیزی اور یک ہے اس نے ہر وقت غزل کی اُردو رکھ لی ہے یا وہ ساغر کے پردے میں مشاہدِ حق کی گفتگو سے لے کر دار اور صلیب کی ایمائیت تک غزل کی علامتیں اور کنائے ہمارے ذہنوں کی رہبری کرتے رہے ہیں۔

موجودہ دور کے نوجوان شاعروں نے بھی غزل کے موضوع کی بوقلمونی، اس کے حسین پیکر کی حدِ جلوہ گری سے فیض اٹھایا ہے کیونکہ اس صنف میں لب و رخسار کی حکایتوں اور دل پر خوں کی گلابی کے ساتھ ساتھ وقت کی دھڑکنوں کا رنگ بھی شامل ہوتا ہے۔ غزل کی یہی ہمہ گیری حیدر آباد کے نوجوان شاعر صلاح الدین نیر کی توجہ کا مرکز بن گئی۔

صلاح الدین نیر کو حیدر آباد کے نوجوان شعرا میں ایک خاص امتیاز حاصل ہے۔ وہ نظم نگار اور غزل گو دونوں حیثیتوں سے مقبوس ہیں اور مقبولیت میں ان کی خوش گوئی اور خوش گھوٹی دونوں کا حصہ ہے۔ نیر کی غزلیں ہلکی پھلکی، سیدھی سادی، شگفتہ اور رسیلی ہیں۔ ان میں زندگی اور محبت کے بہت سے تجربوں کا بخور ہے۔ حیات کے تپتے ہوئے لمحات کا اکتساب بھی ہے اور حسین یادوں کی مستی بھی کا کل و رخسار کی تابناکی بھی اور شعورِ زیت کا وقار بھی

نیر کے شعر شاید اس لئے بھی ہماری توجہ اسیر کر لیتے ہیں کہ زندگی کی جن حقیقتوں کو انھوں نے شعر کا جامہ پہنایا ہے۔ وہ جگ، بیتی اور سنی سنائی باتیں نہیں، وارداتِ قلبی ہیں اور انھیں بڑی شدت کے ساتھ محسوس کیا گیا ہے اور اس خصوصیت نے صلاح الدین نیر کے تغزل میں خلوص کے ساتھ اثر آفرینی بھی پیدا کر دی ہے۔ اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ان کے اندازِ نظر کو حقیقت پسندانہ بناد رہے نیر کی غزلوں میں فلسفہ کی پیچیدہ بحثیں نہیں۔ تصوف کی اونچی

اڑائیں نہیں۔ صنائع بدائع سے نگاہوں کو خیرہ کر دینے کی سعی نہیں، بندش اور ترکیب کی صاعقہ پاشی نہیں۔ فن کا احترام ہے، زندگی سے پیار کرنے کا سلیقہ ہے۔ عشق کے معرکے سر کرنے کا عزم ہے۔ حیات کی پُر پیچ راہوں سے سر کے بل گزر جانے کا حوصلہ ہے۔ چاہے اور چاہے جانے کی چلتی ہوئی تمنائیں ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ فنکار ماحول کا زہری کر زندگی کے جام کو امرت کی بوندوں سے بھر دیتا ہے۔ وہ آگ میں جل کر پھول برساتا ہے، اور اپنے سینے کا گداز پڑھنے والوں کی نذر کر دیتا ہے۔

نیسر کی غزل گوئی کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ انھوں نے اکثر جگہ زندگی، محبت کے بے باہر چھوٹے لیکن دل و دماغ پر ایک گہرا رنٹ چھوڑ جانے والے تجربات کی عکاسی کی ہے۔ یہ معمولی باتیں، یہ ہلکے پھلکے تجربات محبت بعض وقت زندگی کو ایک نئے موڑ سے آشنا کر دیتے ہیں اور شاعر قیمتِ غم کے لئے عشرتِ عمر ابد کی بازی لگا دیتا ہے۔ نیسر عامۃ الورد و تجربات کو تمام انسان کے نقطہ نظر سے دیکھنے اور ان میں جذبات اور احساس کی جو دنیا چھپی ہوئی ہے اس کو شعر کے پیکر میں سمو دینے کی عادی ہیں۔ جانے بوجھے اور عامۃ الورد و تجربات کو اس سلیقے کے ساتھ پیش کرنا کہ سننے والے کو اس میں اپنے دل کے دھڑکنے کی صدا آئے، غزل گوئی کے فن میں ایسی خصوصیت نہیں جس کو بہ آسانی نظر انداز کیا جاسکے۔ غزل کا کماں مرغوب کرنا نہیں، دلوں کو حیت لینا ہے۔

نیسر سرب الفہم انداز میں روزمرہ زندگی کے ایسے تجربات کو جن میں گرمی حیات، احساس کی چھین، ماحول کا شعور اور مذاقِ عشق ہے بڑی خوبصورتی کے ساتھ اپنے اشعار میں پیش کیا ہے۔ ان کی غزلوں میں عشق، کہیں پندِ حُسن کا داعی ہے تو کہیں حُسن کی رہ گزریں سجدہ ریز، محبت کی کامرانی کا ایقان اور عشق کی لامحدود

نیر کے لہجہ سے اثر پذیری کا بھی غماز ہے
 ان کی امیجری اور اشارات و کنایات میں زبان کے نئے امکانات کا احساس موجود ہے۔
 نئی نئی تشبیہات اور استعارے نیر کے اشعار میں اکثر جگہ ایک نئی معنویت کا اضافہ
 کر دیتے ہیں۔ غزل کے روایتی کردار اور اس کی مخصوص تفصیلات سے وابستگی کے
 باوجود صلاح الدین نیر کے لب و لہجہ میں ایک خوشگوار تازگی اور جدت کا احساس
 ہوتا ہے۔

ڈاکٹر سیدہ جعفر
 شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ

نیر سے میرا رشتہ پرانا ہے۔ لیکن یہ رشتہ شاعر اور قاری رسام
 کا نہیں، استاد اور شاگرد کا ہے۔ میں کیسا استاد ثابت ہوا یہ تو نیر بتا سکیں گے
 لیکن میں نے انھیں ایک ذہین، شائستہ، صاحب ذوق اور سعادت مند شاگرد پایا۔
 ۲۰، ۲۲ سال بیت گئے لیکن ان کی سعادت مندی میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اُس
 وقت وہ ایک مبتدی تھے۔ مشق سخن کا ابھی ابھی آغاز ہوا تھا لیکن آج ان کا شمار
 حیدرآباد کے مقبول شاعروں میں ہوتا ہے۔ ادبی حلقوں میں انھوں نے اپنا مقام
 پیدا کر لیا ہے۔ عوام انھیں پسند کرتے ہیں۔ کوئی چھوٹا بڑا مشاعرہ ایسا نہیں ہوتا،
 جہاں ان کی آواز کانوں میں رس نہیں گھولتی۔ ہندوستان و پاکستان کے رسالوں
 میں ان کا کلام چھپتا رہتا ہے۔ یعنی ایک مبتدی سے مقبول اور مستند شاعر
 بن گئے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود ان کی سعادت مندی میں کوئی فرق نہیں آیا۔
 اس سے ان کی وضع داری، شرافت اور شائستگی کا پتہ چلتا ہے۔
 مشق سخن کے ساتھ چکی کی مشقت، حسرت کے حصے میں آئی تھی اور

نیسہ کو نوکر شاہی کے مشین کی گھر گھڑا ہٹ میں فکر و سخن کا عذاب خود مول لینا پڑا۔ لیکن وہ خندہ پیشانی کے ساتھ یہ عذاب کئی سال سے جھیلے آ رہے ہیں اور لطف کی بات یہ ہے کہ ان کی شہریت اور ننگی اس نا شاعرانہ اور ناسازگار ماحول کے باوجود ابھرتی نکھرتی اور سنورتی جا رہی ہے۔ اور لال فتنہ کا یہ قیدی حیدر آباد کے خوش گو، خوش فک و اور خوش محلو شعرا میں ممتاز ہوتا جا رہا ہے۔ ایسا لگتا ہے خلوت در انجمن کا رمران پر منکشف ہو چکا ہے۔ اور باہمہ اور بے ہمہ کے اصرار ان پر کھل چکے ہیں۔ یہ ایک عطیہ الہی ہے جو صرف صوفی اور حسن کار کو عطا ہوتا ہے۔ وہ دن بھر سکر پیڑیٹ میں فائیں گری میں مصروف رہتے ہیں۔

نیسہ نے بھی دوسرے غزل گو شعرا کی طرح اپنی شاعری کا آغاز روایاتی مضامین سے کیا لیکن جب انھیں شعر گوئی کا سنیقہ آگیا تو آپ بقی سنانے لگے اپنے تجربات و مشاہدات اور اپنی واردات و کیفیات کو غزل کے سانچوں میں ڈھلنے لگے۔ یہیں سے ان کی انفرادیت کا اظہار ہونے لگا اور ان کا لب و لہجہ پیپنا جلنے لگا۔ ”سکھ تازہ“ اب اپنا علوہ کوئی وجود نہیں رکھتا۔ وہ ایک علامت بن گیا ہے پاکیزہ عشق کا، طہارت نفس کا، لب و رخسار کا، رس و وار کا، نشاطِ غم کا، دلیری و دلداری کا، تشنگی و نا آسودگی کا، دل سوزی و جگر کاوی کا، انسان دوستی اور انسان پرستی کا، ایک روشن پسند بہارِ آفریں مستقبل کا، جن سے نیر کا نگار خانہ شعر جگمگا رہا ہے

ڈاکٹر حسینی شاہد

پرنسپل اردو آرٹس ایوننگ کالج

نیسہ صاحب نے ہم پر مہربانی کی ہے کہ اس گھٹے ہوئے ماحول میں

”خوشبو کا سفر“ چھوڑ دیا ہے۔ نیر صاحب بہت ہی اچھا لکھتے ہیں۔ میں نے ان میں دو باتیں خاص پائیں۔ جو لوگ ماضی کو دیکھ چکے ہیں، ماضی کی تکالیف اٹھا چکے ہیں یا خوشی حاصل کر چکے ہیں وہ جانتے ہیں کہ ایسے حالات اکثر لوگوں کے ذہن میں ایک کڑواہٹ چھوڑ جاتے ہیں۔ ماضی میں سکھ ہو کہ دکھ ہو جیسے بھی کچھ دن گزرے ہوں، آدمی کو اس کو دیتے ہیں۔ نیر صاحب مجھے پہلے شاعر لگے جو ان باتوں سے گزرنے کے باوجود ان میں وہ کڑواہٹ دکھائی نہیں دیتی۔ جس طرح کہ وہ کڑواہٹ کو پی جاتے ہیں۔ اور اس کڑواہٹ کو دور کرنے کے لئے کویتا لکھتے ہیں۔ اور بڑی ہمت کے ساتھ مسائل کو پیش کرتے ہیں۔ میں نے یہ محسوس کیا ہے کہ ان کے دامن میں کتنا ہی بڑا کانٹا کیوں نہ چھپا ہو وہ چاہے کسی کو دیکھ کر کتنے ہی آنسو بہائے، محل، چاہے وہ آنسو، آنسو دینے والے کے دامن میں گرے ہوں وہ اس آدمی کے نشتر کو سہ جاتے ہیں۔ اس کے گھاؤ کو سہ جاتے ہیں اور ان تمام اذیتوں کو خوبصورتی کے ساتھ اپنے اشعار میں پیش کرتے ہیں۔ ایسی باتیں بڑے شاعر کے کلام میں پائی جاتی ہیں۔ یہ بڑا بین الاقوامی شاعری کا ہے۔

ڈاکٹر سری رام شرما

شعبہ ہندی جامعہ عثمانیہ



صلاح الدین نیر، بنیادی طور پر غزل کا شاعر ہے۔ نیر کی غزل میں خونِ اماں کے سوز کے ساتھ غزلیاتی ترنگ اس گلِ تازہ کی دین ہے جو اس کی شاعری بخلی کھاتی ہے۔ اسی گلِ تازہ نے اس کی پلکوں کی نمی، اس کے دل کو گداز، اس کی فکر کو اضطراب اور اس کے قلم کو جادو بخشا ہے۔ نیر کا گلِ تازہ، ایک جیتا جاگتا وجود ہے، جس نے اُسے وہ مقام عشق عطا کیا ہے، جو اس کی شاعری

کی نوح ہے۔

نیسر کی شاعری کے اضطراب کے راز کو جاننے کے لئے آپ کو اس کے اندر جھانک کر اس کی تشنہ لہی کو دیکھنا ہوگا، جس میں وہ آسودگی کی تلاش کرتا ہے اس کی عوا کا جائزہ لینا ہوگا۔ جس کا وہ نامکمل حادثہ ہے۔ یہی نا آسودگی، تشنہ لہی اس کی شاعری کا مرکزی خیال ہے۔ میدانِ عشق ہو کہ کارزارِ حیات دونوں ہی محاذوں پر وہ بے قرار ہے، وہ وفا کا نامکمل حادثہ ہے۔

نیسر کی شاعری میں جہاں عشق اور رومان کی نغمی ہے وہیں جہدِ حیات کا سوز بھی ہے۔ اور ان دونوں کی لطیف ہم آہنگی نے اس کی شاعری کو وہ رنگ دیا ہے جو اس کا اپنا ہے۔

صلاح الدین نیسر لکھتے بھی اچھا ہیں، پڑھتے بھی اچھا ہیں۔ اس لئے خلوتیں ہو کہ جلوتیں وہ چھائے رہتے ہیں۔

ڈاکٹر راج بہادر گور

گزشتہ ۱۸، ۱۷ سال میں حیدرآباد کی سرزمین سے اردو کے جوانوں شاعر ابھرے، ان میں صلاح الدین نیسر ایک نمایاں حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے لب و لہجے میں ایک طرح کی تازگی اور حلاوت کا احساس ہوتا ہے۔ غزل گوئی کے فن پر ان کی گرفت مضبوط ہو چکی ہے۔

نیسر نے جہاں تقلید اور روایت پسندی سے اپنی شاعری کو محفوظ رکھا وہیں وہ موقتی تحریک اور فیشن زدگی سے بھی ہمیشہ دامن بچتے رہے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا رنگ سخن تمام قدیم اور ہم عصر شعرا سے مختلف اور منفرد ہے۔ بہت سے جدید غزل گو شعرا کے برعکس ان کی شاعری ان کی اپنی شخصیت کی

آئینہ دار ہے۔

نیو نے ترقی پسندی کی روایت اور جدید تجزیوں کو ہم آہنگ کر کے ایک ایسی زبان تشکیل دی ہے جو ان کے فکر و احساس کا ابلاغ موثر اور بھرپور طریقے سے کر سکتی ہے۔ نیر کی شاعری گہری انسانیت دوستی کے ساتھ اس خاص کیفیت سے مملو ہے، جسے میر نے درہندی کا نام دیا تھا۔ ان کا کلام پڑھتے ہوئے کوئی شخص ان کے خلوص و فدا اور جذبہ عشق سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ صلاح الدین نیر کا کلام کئی برسوں سے ادبی رسالوں میں شائع ہوتا رہا ہے اور وہ کئی ریاستی و کل ہند مشاعروں میں شریک ہو کر ہزاروں سامعین سے داد حاصل کر چکے ہیں۔ وہ ہندوستان اور پاکستان کے ادبی حلقوں میں اچھی طرح جانے پہچانے جاتے ہیں، اور جدید دور کے شعرا میں اپنا مقام پیدا کر چکے ہیں۔ صلاح الدین نیر قابل رشک حد تک پرگو اور زود گو شاعر ہیں۔ غیر معمولی طور پر حساس ہونے کے ساتھ وہ گہری تخلیقی لگن بھی رکھتے ہیں۔ ان کے ہجے میں خاص طرح کی متانت نرمی اور دل پذیری کی کیفیت محسوس ہوتی ہے۔ اظہار عشق میں والہانہ سپردگی کے ساتھ احترام نفس کا جذبہ بھی پایا جاتا ہے۔ غم فراق ہو کہ نشاط و صل ہر طرح کی کیفیات کو انھوں نے شائستگی اور وقار کے ساتھ پیش کیا ہے۔ نیر کے اشعار ان کی شاعری کے ایک نئے اور تابندہ رخ کو سامنے لاتے ہیں۔ ان میں غزل کی روایت کے احترام کے ساتھ انفرادی تجربہ اور احساس کا بھرپور اظہار اعلیٰ فنکاری کے ساتھ کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر مفتی تبسم

پروفیسر شعبہ اردو جامعہ عثمانیہ

اپنی بات

”رشتوں کی مہک“ میرا چٹھا مجموعہ کلام ہے جس میں ”خوشبو کا سفر“ کے بعد کے کلام کے علاوہ ایسی نظمیں بھی شامل ہیں جو میرے پچھلے مجموعوں میں شریک ہونے سے رہ گئی تھیں۔

مجھے سننے اور پڑھنے والوں نے محسوس کیا ہوگا کہ مجھے فطرت کی رعنائیوں کے ساتھ ساتھ زندگی کی تلخ حقیقتوں سے بھی پیار ہے۔ زندگی کے تجربات نے مجھے جو کچھ دیا ہے روز و شب کی کشمکش سے جو سوغاتیں ملی ہیں، انھیں میں نے نہایت خلوص اور دیانت داری کے ساتھ شعری پیرہن میں ڈھال دیا ہے۔

میری شاعری زندگی کے تجربات اور مشاہدات، داخلی جذبات و محسوسات سے عبارت ہے، زندگی کے حقائق، روزمرہ کی تلخیوں اور راحتوں نے میرے احساس کو جگایا ہے۔ میرا شعری سفر ان ہی لازوال کیفیات کی دین ہے۔ اس شعری سفر کے دوران مجھے مختلف مراحل سے گزرنا پڑا۔ میں نے کوشش کی ہے کہ زندگی کے ہر موڑ پر ثابت قدم رہوں۔ میں نے اپنے شعری سفر میں متوازن ادبی رویے کو اپنایا ہے، مسلسل سفر کو زندگی کی روشن علامت سمجھتا ہوں۔ میں نے کبھی بھی کسی مخصوص تحریک یا گروہ سے اپنے آپ کو

وابستہ نہیں کیا۔ میں سمجھتا ہوں کہ فنکار گروہ بندیوں سے بالاتر رہ کر ہی اچھا فن تخلیق کر سکتا ہے۔ جب میں نے ۱۹۶۵ء میں اپنا مجموعہ کلام ”گل نازہ“ شائع کیا تو ادبی حلقوں نے بے حد سراہا، اسی کے بعد ۱۹۷۲ء میں زخموں کے گلاب ۱۹۷۸ء میں صنم تراش اور ۱۹۷۹ء میں شکن در شکن کی اشاعت عمل میں آئی۔ خوشبو کا سفر میرا پانچواں مجموعہ کلام ہے جو ۱۹۸۳ء میں شائع ہوا۔ ”گل نازہ“ کے بعد کے تمام شعری مجموعوں کو ملک کی مختلف اردو اکیڈمیوں نے ایوارڈز سے نوازا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ پچھلے مجموعوں کی طرح رشتوں کی مہک کو بھی پسندیدگی کی نگاہوں سے دیکھا جائے گا۔

اس کتاب کی اشاعت کے سلسلے میں، میں اپنے دوست جناب محمد عارف الدین خوشنویس، عزیزم نور محمد ملک اعجاز پریس اور انتخاب پریس کے کرم فرماؤں کا بھی شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انھوں نے رشتوں کی مہک کی صورت گری میں مجھ سے مکمل تعاون کیا۔

صلاح الدین نیر

۱۵ اگست ۱۹۸۶ء

کب مدینے سے تھی دست پلٹ آیا ہوں
نقشِ پا آپ کے پلکوں پہ اٹھا لایا ہوں

آج بھی گنبدِ خضرا پہ نظر ٹھہری ہے
ایسے کچھ لمحے میں اس شہر سے لے آیا ہوں

یوں تو جاری ہے مسرت کی فضاؤں میں سفر
اپنے گھر لوٹ کے باویدہ تر آیا ہوں

آپ کے قدموں کو چھو کر میں کئی بار یہاں
زندہ رہنے کے لئے موت سے ٹکرایا ہوں

لوٹ کر پھر نئے انداز سے جینے کے لئے
آپ کی خوشبو کو سانسوں میں بسا لایا ہوں

آج بھر دیکھئے پھیلا ہوا دامنِ میرا
میں اُجالوں کے لئے آپ کے گھر آیا ہوں

کام اتنی مری فردوس نگاہی نیسے
کملی والے کی نگاہوں میں جگہ پایا ہوں

نعت شریف

ازل سے میری طبیعت قلندرانہ ہے
 میں جانتا ہوں کہاں مجھ کو سر جھکانا ہے
 اسی لئے ہی تو پڑھتا ہوں سیرتِ نبویؐ
 معاشرے میں نیا انقلاب لانا ہے
 بہت طویل ہے ذہنی سفر مگر پہلے
 رسولِ پاک کے قدموں پہ سر جھکانا ہے
 ہمیشہ رہتا ہوں میں بوریہ نشینوں میں
 اسی لئے تو نظر میری خسروانہ ہے
 برہمتہ سر کے لئے سائبان ہوگا مگر
 مجھے تو آپ کے دامن میں سر چھپانا ہے
 بسا ہے اس لئے آنکھوں میں گنبدِ خضریٰ
 مذاقِ خوش نظری میری، والہانہ ہے
 نبیؐ کے در سے میں جاؤں گا اب کہاں نیر
 یہی ہے منزلِ آخر، یہی ٹھکانہ ہے

نعت شریف

ملا رہا ہوں نظر، دیدہ ور زمانے سے
اٹھا ہوں جب سے محمدؐ کے آستانے سے

پہنچ گئی ہے نظر، عرش کی بلندی پر
رسولِ پاکؐ کے قدموں پہ سر جھکانے سے

خوشی کے نشے میں تر دامنی ملی لیکن
میں آئینہ تو بنا دل کے ٹوٹ جانے سے

بسا ہوا ہے نگاہوں میں گنبدِ خضریٰ
نظر میں نورِ مدینہ سمیٹ لانے سے

سوال کرنے سے پہلے ہی بھر گیا کُشکول
ملا ہے اتنا فقیروں کے آستانے سے

میں خاکِ پائے نبیؐ بن گیا ہوں اب نیر
لگی ہے اب مری مٹی کہیں ٹھکانے سے

نعت شریف

قلندر ہوں میں، کس سے کیا مانگتا ہوں
 بس اک نور کا سلسلہ مانگتا ہوں
 فقیروں کا دل ہو، منظر، خاںقاہی
 میں جینے کی ایسی ادا مانگتا ہوں
 عقیدت سے قدموں پہ پتھر کو جھکانا
 اگر جرم ہے تو سزا مانگتا ہوں
 فقیروں کی چوکھٹ پہ کیا کچھ نہیں ہے
 میں مسند نہیں بوریہ مانگتا ہوں
 گلوں کی طرح سے ہنسنے کی خاطر
 میں خوشبوئے رُلفِ صبا مانگتا ہوں
 ادھوری رہے جب بھی منزلِ شناسی
 میں خود اپنے ہی نقشِ پا مانگتا ہوں
 کوئی اُس جگہ سے نہ گزرا ہو میسر
 میں ایسا تیارِ راستہ مانگتا ہوں

بے نیازانہ قلندر کی طرح رہتا ہوں
میں جہاں بھی ہوں ہر اک فکر سے بیگانہ ہوں

مجھ کو یہ نادمہ ہے آواز نئی لایا ہوں
مجھ کو بھی فخر ہے اس دور کا سرمایہ ہوں

میرے اسلاف کی خوشبو ہے مری سانسوں میں
میں بھی اُس سلسلہ نور کا ایمین ہوں

کشتیاں جس نے جلائی تھیں بہ حکیم طارق
میں بھی اُس آگ سے اک شعلہ اٹھالایا ہوں

جذب جب ہو گئی دروازے پہ دستک میری
تب کہیں بھاگے ترے در سے پلٹ آیا ہوں

زندگی یوں نہ مجھے چھوڑ کے جانا تنہا
اک نظر دیکھ لے میں بھی ترا ہم سایہ ہوں

میں تری بزم تبسم سے بڑی مشکل سے
آبرو دیدہ پر نعم کی بچا لایا ہوں

خانقاہوں کی امانت کو میں لے کر نیت
اپنی مسند پہ فقیروں کی طرح بیٹھا ہوں

رام لُچھن کی زمیں پر ایک اُلجھن اور ہے
 ساری لنکا جل چکی ہے ایک راون اور ہے
 زندگی ارزاں سہی خوش رنگ چہروں پر نہ جا
 مانگ میں جس کی لہو ہے وہ سہاگن اور ہے
 آتشِ دل کے لئے یہ رُت ابھی موزوں نہیں
 جس میں ساری زندگی بھیکے وہ ساون اور ہے
 کتنے برسوں بعد اپنے گھر بلائے ہو مگر
 جب میں پہلی بار آیا تھا وہ آنگن اور ہے
 اتنے سارے چہرے پڑھ لینا تو کچھ مشکل نہیں
 عکسِ رو کو دستِ جس میں ہو وہ درین اور ہے
 اک جگہ بیٹھا رہوں میری تو یہ فطرت نہیں
 میں تو اک شاہین ہوں میرا نشین اور ہے
 کون دے گا مجھ کو نیر بھیگی پلوں کا خراج
 میرے آنسو جذب ہیں جس میں وہ دامن اور ہے

ہر رت میں ایسے لوگ متارِ چمن رہے
جو اپنے گھر میں رہ کے غریب الوطن رہے

ہر زخم اپنی ذات کا آپس میں بانٹ لیں
ہم میں کم از کم اتنا تو دیوانہ پن ہے

ہم نے لہو دیا ہے نئی روشنی کے نام
ہم بھی تمہاری طرح سے زخمی بدن ہے

خاک وطن نے اُن کو گلے سے لگا لیا
جو لوگ قتل ہو کے یہاں بے کفن رہے

اس طرح کج کلاہی کو اپنی نبھائیے
دشمن سے گفتگو میں بھی اک باتکین رہے

ہم اپنی وضع داری پہ قائم تو ہیں مگر
کچھ مرحلوں پہ ہم بھی روایت شکن رہے

نیرا رہو گے جب بھی صلیبوں کے درمیان
مٹی وطن کی ہاتھ میں سر پہ کفن ہے

فصیل شہر کو جب تک گرا نہیں دیں گے
ہمیں یہ لوگ کبھی راستہ نہیں دیں گے

جو تجھ سے چھن گئی مسند تو تو کہیں بھی بیٹھ
تجھے ہم اپنا کبھی بوریا نہیں دیں گے

تمام عمر جو چہرے کو اپنے پڑھ نہ سکا
ہم اُس کے ہاتھوں میں اب آئینہ نہیں دیں گے

گھٹن ہو ایسی کہ تم پوری سانس لے نہ سکو
تمہیں ہم اس سے زیادہ سزا نہیں دیں گے

ہمیں گوارا ہے دشمن کی پیش قدمی مگر
امیر شہر کو ہم راستہ نہیں دیں گے

یہ بزم شعروادب کب کسی کی ہے میراث
جو نسل گونگی ہو ہم جائزہ نہیں دیں گے

وہ جن کے نام سے ہم زہر پی گئے نیست
ہم اُن کے حق میں کبھی بددعا نہیں دیں گے

مسندِ سجادگی جب چھین کر لائی گئی
تھی قلندر کی امانت اس کو لوٹانی گئی

صبحِ آزادی، اجالوں کی ضمانت تھی مگر
اس ادا سے روشنی آئی کہ بینائی گئی

ریزہ ریزہ جب ہو گئے ہم آئینوں کے شہر میں
ہم کو اپنی دوسری تصویر دکھلائی گئی

مطمئن تھے ہم مگر موسم بدل جانے کے بعد
میکدے کی پھر وہی تاریخ دہرائی گئی

حادثوں کی زد میں جینا نسبتاً آسان ہے
زندگی کی زلف تو مشکل سے سلجھائی گئی

دیر تک چھنتی رہی دیوارِ دور سے روشنی
محفلِ زنداں میں جتنی بار سچائی گئی

اتنی ہی نیر ہے بس میرِ سفر کی داستاں
گھر جو لوٹا پاؤں میں زنجیر پہنائی گئی

مہمان بن کے آئے مگر گھر میں رہ گئے
کچھ پھول تیری زلفوں کے بستر میں رہ گئے

کون اب کرے گا صحرا نوردوں سے گفتگو
جھونکے بہارِ نو کے گلِ تر میں رہ گئے

محنت کے ہاتھ چومتا رہتا ہوں اس لئے
کچھ پھول تیرے ہاتھوں کے پتھر میں رہ گئے

ملنے لگا ہے اب مری پہچان کا ثبوت
آنسو نہ جانے کس طرح ساغر میں رہ گئے

کس کس پہ فردِ جرم لگاتے رہیں گے آپ
کچھ بُت شکن تو تیشہ آذر میں رہ گئے

جانا تھا جن کو جا چکے میدان چھوڑ کر
ہم جیسے سرفروش ہی لشکر میں رہ گئے

نیرا ہے جن سے نسبتِ دیرینہ آج بھی
کچھ ایسے خارِ مچھلولوں کی چادر میں رہ گئے

خیموں کو اپنے چھوڑ کے سب اپنے گھر گئے
جب فصلِ گل کے جسم سے زیور اتر گئے

خوشبو سہاگ رات کی جن سے تھی معتبر
وہ لمحے زندگانی کے جانے کدھر گئے

بے نام آہٹوں نے سہارا دیا ہمیں
ہم چلتے چلتے راہ میں جب بھی ٹھہر گئے

مالوس جتنے چہرے تھے سب اجنبی لگے
آئینے ٹوٹ ٹوٹ کے جب بھی بکھر گئے

تو بھی تو میرے ساتھ رہی اے نسیم صبح
وہ کون تھے جو بزم سے با چشمِ تر گئے

تیری طلب نے دی یہی سوغاتِ گردِ راہ
ہم اپنے ساتھ لے کے یہ رختِ سفر گئے

چو کھٹ پہ اُن کی اک نئی پہچان کے لئے
نیر کا نام لے کے کئی نامہ بر گئے

کلِ شام سے پھر کوچہ جاناں میں ملوں گا
خوشبو کی طرح زُلفِ پریشاں میں ملوں گا

بعد اُس کے کہاں ہوں گا مجھے خود نہیں معلوم
میں صبحِ تلک شمعِ شبستاں میں ملوں گا

لیلیٰ سخن! تیری زُگاہوں سے میں بچ کر
مجنوں کی طرح تارِ گریباں میں ملوں گا

رہنے دو ابھی تلخیِ ایام کی فِود میں
میں آخرِ شب، بزمِ رفیقاں میں ملوں گا

ہر وقت مجھے دوستو! صحرا میں نہ ڈھونڈو
میں آبلہ پا بن کے گلستاں میں ملوں گا

اک لمبی جدائی کے لئے چھوڑ دو نیسٹر
پھر اگلے برس جشنِ بہاراں میں ملوں گا

جہاں کہیں بھی رہے، دل سے تو نہیں جاتی
مرے بدن سے کبھی تیری بو نہیں جاتی

ہزاروں ہچکیاں دیوار و درمیں ہیں محفوظ
یہاں سے دُور کہیں گفتگو نہیں جاتی

سمٹ سمٹ کے لپٹی ہے اپنے بستر سے
تمہاری خوشبو کبھی چار سونہیں جاتی

اک عمر کٹ گئی، بے لوث جذبہٴ دل کو
تمہارے چھونے کی کیوں آرزو نہیں جاتی

گریزِ پاہیں جو رُسوائیاں تو رہنے دو
سُپردگی سے کبھی آبرو نہیں جاتی

حصارِ شہر سے ٹکرا کے آگئی نیر
دیوارِ دوست تلک جستجو نہیں جاتی

دامن میں کچھ نہ تھا کوئی تحفہ نہ دے سکا
 تم جا رہے تھے تم کو دلاسا نہ دے سکا
 وہ شخص لے گیا مری آنکھوں کی روشنی
 میں جس کو اپنے گھر کا اُجالا نہ دے سکا
 تم خود ہی بے نیاز رہے اپنے آپ سے
 کب گرنے والا تم کو سہارا نہ دے سکا
 دل کے سوا یہاں مرا سب کچھ لٹا مگر
 جو لٹنے والا تھا وہ خزانہ نہ دے سکا
 آنگن میں اپنے قدموں کی آہٹ کو چھوڑ کر
 تم جا رہے تھے اس لئے رستہ نہ دے سکا
 نیرِ بہت سے مرحلے آئے حیات میں
 تا عمر میرا دل مجھے دھوکا نہ دے سکا

مدھم ہی سہی شمعیں جلائے ہوئے رکھنا
ہر وقت مرے گھر کو سجائے ہوئے رکھنا

بھگی ہوئی پلکیں ہوں تو رسوائی کا ڈر ہے
اچھا ہے یہی نظریں جھکائے ہوئے رکھنا

پھولوں کا زمانہ ہو کہ پتھر اُڑ کا موسم
ہر حال میں تم سر کو اٹھائے ہوئے رکھنا

ایسا نہ ہو میں اُلٹے قدم لوٹ کے آؤں
آنسو ہوں تو پلکوں میں چھپائے ہوئے رکھنا

تبدیلی حالات کا کیا جانے اثر ہو
موسم سے نئے، خود کو بچائے ہوئے رکھنا

”خوشبو کا سفر“ رکنے نہ پائے کبھی نیز
احساس کو ہر وقت جگائے ہوئے رکھنا

اعلیٰ ظرفوں کی جگہ کم ظرف جب پانے لگے
 اپنا آنکھن چھوڑ کر مرکز سے ٹکرائے لگے
 تشنگی کا دور ہے، تنظیم مے خانہ کے لوگ
 تشنہ لب کو خالی پیسمانوں سے بہلانے لگے
 خود فریبی کا ذرا یہ بھی تماشہ دیکھئے
 کیسے کیسے لوگ اب اوتار کہلانے لگے
 قومی یک جہتی کے مجرم دشمن امن وامان
 تازہ پھولوں کے بدن میں زہر پھیلانے لگے
 بدنصیبی دیکھئے آوارگان شہر کی
 اپنی گلیاں چھوڑ کر اوروں کے گھر جانے لگے
 جب سے ہے چشمِ کرم ہم پر نئے حالات کی
 آپ جیسے دوست بھی ملنے سے کترانے لگے
 وہ بہت یاد آئے نیراجن کے بازو کٹ گئے
 پرچمِ صبح وطن جس وقت لہرانے لگے

کچھ اس طرح میں ترا انتظار کر لوں گا
جو تو نہیں تری آہٹ سے پیار کر لوں گا

میں جلد اوٹں گا ساحل پہ گفتگو کے لئے
یقین کیجئے یہ دریا بھی پار کر لوں گا

چھپاؤں کس طرح میں اضطراب آنکھوں کا
خوشی جبر سہی، اختیار کر لوں گا

سحر کے ساتھ ہمیشہ کی روشنی کے لئے
نگاہِ دوست پہ بھی انحصار کر لوں گا

و فور شوق میں پا بوسی جرم ہے تو رہے
گستاخ کاروں میں خود کو شمار کر لوں گا

میں خود بھی اُس کے قبیلے کا فرد ہوں نیست
وہ بے وفا ہی سہی اعتبار کر لوں گا

کس تربیتِ خوش نگہی کا یہ صلہ ہے
عزاز مرے ذہن و قلم کو جو ملا ہے

مجھ کو ہوا احساسِ ترے پاؤں میں زخمی
جب بھی مرے ہمراہ تو رک رک کے چلا ہے

شائستہ آداب، گلِ تر کی طرح سے
اک نام ہمیشہ مرے ہونٹوں پہ رہا ہے

اب جس کے گلے میں ہے یہاں پھولوں کی مالا
وہ شخص بھی اکثر یہاں کانٹوں پہ چلا ہے

شاہینِ نظر، تیشہ بہ کف وہ سرِ معزور
ہم جیسے فقیروں کے گھرانے میں ملا ہے

گلنار نہ تھا صحنِ گلستاں کبھی اتنا
شاید کوئی کانٹا ترے تلوؤں میں چھلا ہے

میں خود بھی ہوں بیاسا یہ بتا دے مجھے نیر
جز تشنگی لب، تری تحریر میں کیا ہے

روز و شب مجھ سے الجھ کر مجھ سے ہی ملتا ہے کیوں
دل ربا انداز تیرا اس قدر پیارا ہے کیوں

عطر میں بھگی ہوئی سانسوں کی خوشبو کی طرح
میرا ماضی شب کی چادر اوڑھ کر سوتا ہے کیوں

جب یہ سچ ہے کوئی آہٹ ہے نہ دستک کی صدا
دل کا دروازہ مگر اکثر کھلا رہتا ہے کیوں

گر اُسے سمجھوں تو سب کچھ گرنے سمجھوں کچھ نہیں
انتظار اکثر مجھے اُس شخص کا رہتا ہے کیوں

تھا جو شامِ غم کی نازک موڑ پر تنہا رفیق !
اک چراغ ایسا بھی میرے گھر میں اب جلتا ہے کیوں

تم کو چھونے والا ہر اک لمحہ عشرت نواز
میرے دل کی دھڑکنوں سے بدگماں رہتا ہے کیوں

ویسے سب کچھ ہے میسر پھر بھی نیرس کس لئے
گھر مرا اکثر مجھے بے سائبان لگتا ہے کیوں

گھٹ جائے گا دم میرا اگر کچھ نہ کہو گے
منہ پھیر کے کب تک یونہی تم روٹھے رہو گے

تھوڑا بھی ہو جو تم میں بچھڑنے کا سلیقہ
تا عمر کبھی تم یہاں تنہا نہ رہو گے

اس طرح سے گر ڈھلتا رہا صبح کا آنچل
ڈھلتے ہوئے سورج کی طرح تم بھی ڈھلو گے

پھر کس سے ہو ان تازہ جزیروں کی حفاظت
حالات کے سیلاب میں گر تم بھی بہو گے

اک تار بھی ثابت کبھی تن پر نہ رہے گا
تم میری محبت پہ اگر طنز کرو گے

اڑھے ہوئے نکلوں گا اجالوں کی ردائیں
سائے کی طرح جب مرا تم پیچھا کرو گے

دل کہتا ہے تم ہی کبھی خاموشی سے نیر
تختی پہ مرے گھر کی کوئی نام لکھو گے

کیا جانے اب کی رت یہاں کیا کام کر گئی
چادر نئی بہار کے سر سے اتر گئی

تم اک لکیر کھینچ کے ہی مطمئن رہے
حدِ تعینات سے آگے نظر گئی

کلیوں سے پھول بننے کا جب وقت آ گیا
پہلو بچا کے سب سے نسیم سحر گئی

یہ کیسی بھول تجھ سے ہوئی اے نسیم صبح
آنکھ میں کس کے جانا تھا تو کس کے گھر گئی

پھر میری زندگی میں آنے سے فائدہ
میری حیاتِ تازہ تو کب کے بکھر گئی

تم ساتھ تھے تو زیست تھی پھولوں درمیاں
جب تم نہیں تو زیست نہ جانے کدھر گئی

نہیں! مرے خلوص کا یہ بھی ہے المیہ
اب کے بھی خالی ہاتھ دعا ہے سحر گئی

اک اجنبی سے جہاں دوستی بھی کرتے ہیں
اُسی حساب سے ہم دشمنی بھی کرتے ہیں

سفر طویل ہے تم احتیاط سے رہنا
جو رہ نما ہیں وہی رہزنی بھی کرتے ہیں

ہم اس لئے کہ سلامت رہے یہ مٹے خانہ
شریکِ جرم، کبھی تشنگی بھی کرتے ہیں

نشاطِ غم سے کہیں تم بہک نہ جاؤ کبھی!
ہنسی میں اپنی کبھی ہم کمی بھی کرتے ہیں

حصارِ شہر میں ہم جیسے تازہ خانہ ہدوش
رہیں تشنہ لبی، زندگی بھی کرتے ہیں

وہ زندگی کے اچھوتے، اُداس لمحوں کو
قریب لانے کبھی بے رُخی بھی کرتے ہیں

کبھی تو نیسِرِ تاباں کو جا کے دیکھ بھی لو
سنا ہے ان دنوں وہ شاعری بھی کرتے ہیں

ہیں سہمے سہمے سے سب لوگ، زندگی ہے کہاں
بتائیے مری بستی میں روشنی ہے کہاں

لبوں پہ جلتے گھروں کی ہے راکھ بکھری ہوئی
ہمارے ہونٹوں پہ پہلی سی اب غسی ہے کہاں

تمام بند ہیں دروازے کس پہ دستک دوں
پڑوسیوں میں بھی اب ربطِ باہمی ہے کہاں

تم اب بھی ذہنی تحفظ کے ساتھ ملتے ہو
خلوص تو ہے مگر رسمِ دوستی ہے کہاں

وہ جس کے خون سے زخمی بدن میں جان آئی
میں کب سے ڈھونڈ رہا ہوں وہ اجنبی ہے کہاں

بھگت ہے میں ابھی دوستی کا خمیازہ
ابھی تو ہم سے کھلی دشمنی ہوئی ہے کہاں

وہ سامنے ہے مکاں خود ہی جائزہ لیجئے
سلوکِ دوست میں نیرنگی ہوئی ہے کہاں

شاہین زادہ کیسے گرفتار ہو گیا
جو سائبان تھا پس دیوار ہو گیا

آنے لگی تھی پھر ترے قدموں کی آہٹیں
سناٹا گھر کا جب لبِ اظہار ہو گیا

مخوش بنو نوازِ ملس کا وہ لمحہ نشاط
ہونٹوں کو تیرے چھو تے ہی سرشار ہو گیا

نیا مری ڈبو کے جو ساحل سے جاملا
وہ دستِ ناشناس ہی بیتوار ہو گیا

کس کے نصیب میں ہے زلیخا کا بانگین
بکنے کو جو بھی آیا خریدار ہو گیا

وہ لمحہ خرد جو جنوں آشنا نہ تھا
قدموں کو تیرے چھو کے گنہگار ہو گیا

نیرِ بدل دو جینے کا انداز پھر نیا
جب سانس لینا ہی یہاں آزار ہو گیا

آپ کی خوشبو کو یوں میں نے بھی محسوس کیا
 ذہن و دل میرا بہت دیر ہکتا ہی رہا

کب اکیلا میں رہا شہر کے سناٹے میں
 میری تنہائی میں بھی سایہ ہمسایہ رہا

میرے آنسو تری آنکھوں میں اُترائے مگر
 تیری بھگی ہوئی پلکوں کو تو میں چھو نہ سکا

زندگی کل ترا لہجہ نہ بدل جائے کہیں
 میں نے ہونٹوں پہ ترے سوچ کے ہی نام لکھا

گھر کے ہر گوشے میں سہمے ہوئے لمحوں کی طرح
 تم نے کیا بات تھی کیوں خود کو چھپانا چاہا

زندگی تجھ کو منانے میں مری عمر کٹی!
 گزرے لمحات سے میں نے بھی تو سمجھوتہ کیا

ایک مانوس سی خوشبو نے قدم روک لئے
 جب بھی نیر نے مجھے چھوڑ کے جانا چاہا

کون آیا تھا کل گھر مرے کیا چھوڑ گیا ہے
ہر لمحہ تری طرح سے خوشبو میں بسا ہے

اک عمر کی حد تک مجھے کچھ بھی نہ تھا معلوم
میں کیا ہوں تمہیں دیکھ کے اندازہ ہوا ہے

دستک نہیں دی جاتی یہاں ایسے بھی گھر میں
جب چاہے چلے آئے دروازہ کھلا ہے

آوازِ کفِ پا ہے نہ آہٹ ہے نہ بلچل
یہ کون تری طرح سے سینے میں چھپا ہے

کس کرب میں گزری ہے بتا اے غمِ جاناں
تنہائی میں تو بھی تو مرے ساتھ رہا ہے

اک جھونکا ہوا کا ترے کوچے سے نکل کر
خوشبو تری زلفوں کی یہاں چھوڑ گیا ہے

کو تاہی پرواز نے پھر کس لئے نیر
شاہین مزاہوں کو نظر بند کیا ہے

دیوانگی شیریں کی محبت میں ملی ہے
یہ کوہِ کنی ہم کو وراثت میں ملی ہے

جس نسبتِ دیرینہ کو ڈھونڈا کیا برسوں
وہ بھی تو تری چشمِ مروت میں ملی ہے

پیرا ہنِ تازہ میں بھی کیا کچھ نہیں لیکن
خوشبو تری، شہا کستہ روایت میں ملی ہے

گب ہم تھے یہاں پہلے نظروالوں میں شامل
یہ خوش نظری آپ کی چاہت میں ملی ہے

کس موسمِ تازہ کا ہے تحفہ نہیں معلوم
نرمی تری پھولوں کی نزاکت میں ملی ہے

اک عمر سے میں بھی ترے رشتے میں بندھا ہوں
کیا شے ترے چہرے کی وجاہت میں ملی ہے

اعزاز ہے نیرِ یہ مری بُت شکنی کا
یہ خلعتِ زرین بھی خلافت میں ملی ہے

اِس اندھیرے گھر میں پھر سے روشنی ہو جائے گی
آپ جب لوٹیں تو دُنیا دوسری ہو جائے گی

آپ کی بے اعتنائی گر یونہی جاری رہے
اک نہ اک دن آپ سے بھی دوستی ہو جائے گی

پھر مری پہچان کا محفل میں اُٹھ گا سوال
تیری شخصیت کی جس دن بھی نفی ہو جائے گی

دوستو رہنے بھی دیجئے، فاقہ مستی کا بھرم
ہاتھ پھیلانے سے تو ہینِ خودی ہو جائے گی

بن بلائے آپ کی چوکھٹ پہ آ بیٹھوں گا میں
جب کبھی رسوا مری تشنہ لبی ہو جائے گی

بال بکھراے اُسی انداز سے پھر آئیے
آپ کی قربت سے کچھ تو شاعری ہو جائے گی

اِس لئے نیر کو پھر کھونا نہیں چاہوں گا میں
ایک اچھے دوست کی پھر سے کمی ہو جائے گی

اُبھر کر آرہی ہے ایک ہی تصویرِ درپن سے
نہ جانے کب تمہیں میں نے سنا تھا دُورِ دُشمن سے

یہ مجھ سے پوچھئے کیا فصلِ گل نے گل کھلائے ہیں
میں اپنے پاؤں میں کچھ خار لے آیا ہوں گلشن سے

بہت نزدیک سے چھونے کو خود ہی ہاتھ بڑھتے ہیں
نہ جانے کونسا رشتہ ہے میرا تیرے دامن سے

یہ سب کچھ آپ کے مہندی لگے پاؤں کی برکت ہے
کہاں جاؤ گی یہ خوشبو ہمارے گھر کے انگن سے

ابھی پوری طرح سے دل کو اپنے ٹوٹنے دیجئے
نکل آئیں گے کچھ آنسو کبھی ملکوں کی چلمن سے

تمہاری کم نگاہی نے بھی سب کچھ دیدیا مجھ کو
میں کتنا بے سہارا ہو گیا تھا ذہنی الجھن سے

تباہی میں مری اُس کا بڑا حصہ رہا نیتِ
بہت ہنکا پڑا سمجھوتہ مجھ کو اپنے دشمن سے

کب مجھ پہ حادثات کی پرچھائیاں نہ تھیں
تم ساتھ تھے تو راتنی پریشانیاں نہ تھیں

خاموش تم بھی رہتے ہو خاموش ہم بھی ہیں
جینے کی یہ ادائیں کبھی درمیاں نہ تھیں

سائے کی طرح پھیل رہا تھا مرا وجود
جب مجھ پہ تیرے پیار کی پرچھائیاں نہ تھیں

جس وقت ہم بھی آئے تھے زنداں کچھوٹ کر
چوکھٹ پہ انتظار کی شہنائیاں نہ تھیں

خوشبو کے ساتھ آیا تھا یادوں کا قافلہ
سمٹی ہوئی کبھی مری تنہائیاں نہ تھیں

اب تو معاشرے سے بے ٹکراؤ رات دن
جب تک کہ ساتھ تم رہے کچھ تلخیاں نہ تھیں

احسان ہے یہ تربیتِ خوش نگاہ کا
نیر کی طرح تم میں بھی کب خامیاں نہ تھیں

روز و شب کی کشمکش سے بے نیاز نہ ہے کون
اپنے گھر سے بے تعلق اس طرح رہتا ہے کون

شاعرِ خوش فکر کی ذہنی رفاقت کے لئے
گھاؤں سے تم کو اٹھا کر شہر میں لاتا ہے کون

وہ اگر میرے ہی پچھلے دور کا سایہ نہ تھا
پاؤں کی زنجیر بن کر ساتھ اب رہتا ہے کون

رفتہ رفتہ پھر مرے دامن تلک اُٹی نہی
شب کے سناٹوں میں اکثر بھیگتا رہتا ہے کون

دل کے دروازے پہ دستک کی طرح گر تم نہ تھے
پاؤں پہ سہر رکھ کے میرے رات بھر سوتا ہے کون

ذہن و دل کو پھر مرے ہر کار ہی ہے زندگی
بن کے خوشبو کا سفر پھر میرے گھر آیا ہے کون

ذہن و دل کو چھو رہی ہے اب بھی ٹھنڈی روشنی
اس اندھیرے گھر میں نیتر رات بھر جلتا ہے کون

جو عطر بیز تھے وہ دن گئے کہاں جاناں
ہر ایک شخص تھا محفل میں شاد ماں جاناں

یہ کیسا تحفہ ہے پیراہنِ نظر کے لئے
شکفتہ پھول ہیں کانٹوں کے دریا جاناں

جہاں جہاں سے بھی گزرا میں سر جھکاٹے ہوئے
تمہارے نقشِ قدم تھے وہاں وہاں جاناں

تم اپنی یادوں کی خوشبو بھی ساتھ لے آنا
اُداس اُداس میں ہے بزمِ دوستا جاناں

مرے سلوک کی ضامن ہے میری تشنہ لبی
ستم تو یہ ہے کہ تم بھی ہو بدگماں جاناں

تڑپ تڑپ کے تمہیں جب بھی ہم نے یاد کیا
ہمارے گھر میں اُتر آئی کہکشاں جاناں

زبان کٹ گئی کیسے وہ گفتگو کرتا
تمہارے سامنے تیرے بے زباں جاناں

نگاہِ موسمِ باراں سے ڈر رہا ہوں میں
بھری بہار میں بھی چشمِ تر رہا ہوں میں

وہ ایک راہ جو زنجیر پا رہی تھی کبھی
اُس ایک راہ سے اب بھی گزر رہا ہوں میں

شبِ جدائی سے ہو جب بھی گفتگو کہنا
کبھی کبھی تو پیامِ سحر رہا ہوں میں

نہ میرے ہاتھوں میں سیندور ہے نہ افشان ہے
کچھ اس طرح سے تری مانگ بھر رہا ہوں میں

پرانی یادوں کو سینے میں دفن کرتے ہوئے
خود اپنے آپ پہ احسان کر رہا ہوں میں

جب اپنے آپ کی پہچان اتنی مشکل ہے
تو برگِ گل کی طرح کیوں بکھر رہا ہوں میں

کچھ اتنا رویا ہوں بینائی کھو گئی نیر
تمہاری طرح کبھی دیدہ ور رہا ہوں میں

بھروسہ کم تھا مگر اعتبار کرتا رہا
تمام عمر ترا انتظار کرتا رہا

شکستگی میں بھی جینے کا حوصلہ پا کر
تمہاری پیاسی نگاہوں سے پیار کرتا رہا

دل و نظر کے تصادم میں کچھ اثر کے لئے
تمہیں بھی اپنی طرح بے قرار کرتا رہا

میں دل دکھا کے کہاں مطمئن رہا اے دوست
گناہ گاروں میں خود کو شمار کرتا رہا

نہ ٹوٹے تجھ سے کہیں سلسلہ محبت کا
خزاں کی رت میں بھی حشر بہا کرتا رہا

تمام زندگی موہوم سی خوشی کے لئے
میں اپنے آپ کو تم پر نثار کرتا رہا

سلوکِ دوست سے نیر میں بدگماں رہ کر
نگاہِ دوست پہ ہی انحصار کرتا رہا

عکس، خوابوں کا ابھرتا ہے تو معدوم نہ کر
میرے مولا! تو مجھے نیند سے محروم نہ کر

ہو نہ جائے کہیں گھر سے ہی نکلنا مشکل
میرے حالات کو اس طرح سے منظم نہ کر

ایک اک لمحہ ابھی صدیوں میں بدلا ہے کہا
صبح روشن ہے ابھی صبح کو مرحوم نہ کر

اور کچھ دن تو اُجاڑوں کا بھرم رہنے دے
تو مری طرح کسی اور کو محکوم نہ کر

آج اک عمر کے بعد آئی ہے ہونٹوں پر غسی
اور کچھ دن کے لئے تو مجھے منہ موم نہ کر

پیار کی خوشبو میں لپٹے ہوئے لفظوں کی طرح
تشنگی کو مری شرمندہ مفہوم نہ کر

تجھ کو ملے کے سوا کچھ نہ ملے گا نیر
میں کہاں رہتا ہوں کس گھر میں ہوں معلوم نہ کر

نہ جانے کس کے لئے اپنا سر جھکاتا ہوں
دُعا قبول ہو یا رب! کہ ہاتھ اٹھاتا ہوں

دو اے کر کے تمہیں ہر نئے سفر کے بعد
میں اپنے گھر بڑی مشکل سے لوٹ آیا ہوں

اسی خیال سے کھلانا جائے تیرا بدن
میں تیرے سامنے ہر وقت مسکراتا ہوں

تمہیں منانے میں اک عمر کٹ گئی میری
کبھی کبھی میں بُری طرح ہار جاتا ہوں

سلاش کرتے ہیں کیا لوگ اپنے دامن میں
میں آئینہ کی طرح جب بھی ٹوٹ جاتا ہوں

سُٹتی جاتی ہیں تنہائیاں مری جب بھی
تمام شمعیں سرِ شام ہی بجھاتا ہوں

معاملہ ہے مرے دل کا کیا کروں نیسے
میں بن بلائے ہوئے اُس کے پاس جاتا ہوں

خدا کرے کہ وہ جب تک بھی مجھ خواب رہے
ہمیشہ ہاتھوں میں اُس کے مری کتاب رہے

کسی کا جب بھی یہاں آپ فردِ جرم لکھیں
ہمارے جرمِ تمت کا بھی حساب رہے

مری زمین اندھیروں سے کب رہی خالی
سحر فروش ہمیشہ ہی دستیاب رہے

حضورِ تیشہ زناں، اذروں کی محفل میں
خرد زدہ بڑی مشکل سے باریاب رہے

تمہاری بولتی آنکھوں میں تھے سوال کئی
نظر جو تم سے ملی ہم تو لا جواب رہے

تمام عمر رہے آپ الجھنوں کے شکار
جو بے نیاز تھے مقصد میں کامیاب رہے

جو اپنی ذات کی پہچان کھو گئے نیسے
بہت سے گھر یہاں ایسے بھی زیرِ آب رہے

خود ہی دب جائے گی ہمسایہ کی اونچی آواز
تم نے بدلا ہی کہاں اپنا گھریلو انداز

گھر سے جب ماں کے قدم چھو کے نکل جاتا ہوں
زندگی اور بڑھا دیتی ہے میرا اعزاز

سجدہ شوق کو پاؤں گے کہاں دیرو حرم
رُوبرو آپ میں بس ہو چکی اب اپنی نماز

راستے شہرِ تمنا کے سمٹ جاتے ہیں
ایک منزل پہ کھڑے جاتے ہیں جب ناز و نیاز

جاگتی آنکھوں میں ہے اپنی اُجالانہ دھواں
اپنی خاموش وفا کا ہے یہ کیسا اعجاز

دل نے زخموں کو چھپانا تو بہت چاہا مگر
چشمِ پریم تو ہمیشہ ہی رہی ہے غماز

کس کی آواز سے سمجھوتہ کر دے گے نیتِ
اس طرف ٹوٹا ہوا دل ہے ادھر پردہ ساز

میں اُٹی ہوں مگر فکر و نظر کی حد وہاں تک ہے
رسانی دیدہ ور، روشن ضمیروں کی جہاں تک ہے

وہاں تک ہم کو لے جائے گارشہ خود شناسی کا
زمین کی پیاس جتنی دوستو! ابر رواں تک ہے

ہو اک ایسی صدا جو سینہ شب چیر کر نکلے
یہ آواز جس کو صرف اسی اک کارواں تک ہے

پڑا رہتا ہے چوکھٹ پر ہمیشہ بے نیازی سے
قلندر کی فضیلت بھی عطاءے آستان تک ہے

کہاں تم کھینچ کر لائے ہو، ہم خانہ بدوشوں کو
مسافر کے لئے یہ چھاؤں سہر پر سائبان تک ہے

ہم اپنی وضع داری کا چلن ہرگز نہ بدلیں گے
ہماری جنگ کا یہ سلسلہ تیر و کماں تک ہے

کریں ہم کو نئے دانشوروں سے گفتگو نیر
ہمارے دور کی ذہنی تھکن، خواب گراں تک ہے

پھر نظم گلستاں اُسی قاتل کے ہات ہے
منسوب جس سے شہر کی ہر واردات ہے

پھرتا ہے شہر شہر لہو کی تلاش میں
ہر لمحہ اُس کا منتظر حادثات ہے

کیسے بچو گے تم نئے موسم کی ضرب سے
بربادی چمن میں تمہارا بھی ہات ہے

بکھتے ہوئے چراغوں میں تنہا نہیں ہیں ہم
لبے سفر میں آبلہ پائی کا ساتھ ہے

رکنے نہ پائے دستِ خوشبو کا یہ سفر
شاہیں نظر ہوں میری یہی کائنات ہے

نیر رئیس شہرے کیا گفتگو کریں
یہ زندگی تو سلسلہ حادثات ہے

ضمیر کہتا ہے میں نے ہی دل دکھایا ہے
بہت دنوں سے تمہارا ادا کس چہرہ ہے

اُبھر کے آئے ہیں پھر ذہن و دل پر تازہ نقوش
نئی ہے چوٹ مگر سلسلہ پرانا ہے

وہ ایک چاند کہ ٹھنڈک ہے جس کا سارا وجود
کسے خبر تھی مرے گھر اُترنے والا ہے

بہت دکھی ہو تو خود کو سمیٹ کر رکھنا
کوئی قریب سے ہو کر گزرنے والا ہے

حصارِ دیر و حرم سے نکل کے آیا ہوں
تمہیں بتاؤ کہاں مجھ کو سر جھکانا ہے

مرے بدن میں ہے سجادگی کی خوشبو مگر
انا پسند طبیعت، قلمِ دراندہ ہے

برائیں شکستگی جاؤ گے تم کہاں نیرت
اسی گلی میں ہی میرا غریب خانہ ہے

کتنی مشکل سے میں سمٹا ہوں بکھر جانے کے بعد
جان میری بچ گئی قاتل کے گھر جانے کے بعد

اپنے ہمسایہ کی ٹھنڈک پھر سے یاد آتی رہی
شہرِ نامعلوم میں کچھ دم ٹھہر جانے کے بعد

یوں ہوا محسوس زنجیروں میں ہوں جکڑا ہوا
آخر شب تیرے کوچے سے گزر جانے کے بعد

جانے وہ کس کے تعاقب میں گئی ہے دوستو
لوٹ کر اکئی نہیں پہلی نظر جانے کے بعد

ایک نسبت مجھ کو بھی ٹوٹی ہوئی کشتی سے ہے
اؤں کا ساحل پہ میں دریا اتر جانے کے بعد

تبصرہ حالات پر ویسے بھی اب ممکن نہیں
گفتگو ہوگی تری زلفیں سنور جانے کے بعد

رات بھر لڑتا رہا نیرا جالوں کے لئے
صبح لے آئے ہو تم دستار مسر جانے کے بعد

کس کس کو یہاں کرتے رہو گے نظر انداز
چھو لے گی بلندی کو کبھی گرنی پرواز

لہجے کی متانت کو بچار کھٹے خُدا را
آواز بدل جائے تو چھین جائے گا اعزاز

پھر کس لئے سمجھوتہ کیا تم نے صبا سے
تنہائی میں جی لینے کا تم کو تھا بڑا ناز

سو نپا تھا مجھے تم نے ہواک درد کا رشتہ
برسوں سے مرے سینے میں ہے دفن وہ اک راز

دیے تو کئی لوگوں سے ہے اپنا تعارف
کیوں زخمی تکلم کا تجھی سے ہوا آغاز

مدت ہوئی سب تارِ نفس ٹوٹ چکے ہیں
اس شہرِ خموشاں میں کوئی ساز نہ آواز

نیر یہ ہیں سب ایک ہی رشتے کا تسلسل
خوشبو کا سفر ہو گلِ تازہ ہو کہ شہناز

رندوں کو جو مئے خانے میں پیئے نہیں دیں گے
ہم اُن کو کبھی چین سے جینے نہیں دیں گے

ساحل پہ جلاؤ الیں گے سب کشتیاں لیکن
ثابت نکھیں ہم اپنے سفینے نہیں دیں گے

ہمت ہے تو اُجائیے دروازہ کھلا ہے
ہم گھر میں اُترنے کبھی زینے نہیں دیں گے

قائم ہے یہاں خانہ بدوشوں کی بھی اک شان
ہم اپنے قبیلے کے قرینے نہیں دیں گے

دامن پہ اُتر آئیں تو چین لیجئے آنسو
جو دفن ہیں سینے میں دفینے نہیں دیں گے

ہر گھاؤ پہ نیزہ اُسی قاتل کے نشان ہیں
ہم زخم کسی اور کو سپنے نہیں دیں گے

پھر نئی الجھن میں ہوں نزدیک سے گزرا ہے کون
اس طرح سے اپنے گھر کو چھوڑ کر جاتا ہے کون

روشنی بن کر پس دیوار شب گرم نہ تھے
شب کے سناٹے میں اکثر رات بھر جلتا ہے کون

پھر نئے موسم کے تازہ پھول ہاتھوں میں لئے
دل کے دروازے پہ دستک آج پھر دیتا ہے کون

دوش پر بادِ صبا کے اڑنے والے دیکھ لے
نقشِ پابن کر قری راہوں میں اب بیٹھا ہے کون

تشنہ لب، تیشہ بہ کف، کب تک رہوں گا دوستو
مجھ کو خود میں ڈھونڈنے والا یہاں ایسا ہے کون

گلستاں میں اس طرح کی بھیر پہلے تو نہ تھی
چلے دیکھیں شاخِ گل سے ٹوٹ کر نکلتا ہے کون

راہ تکتے تکتے نیسے، ہو گئیں پلکیں سفید
دیکھنا ہے صبح کے ہمراہ گھبرا آیا ہے کون

اب کہاں جائے گا مجھ جیسا مسافر آخر
کب سے ٹھہرا ہوں میں دروازہ پہ دھک دھک

جانے کب کون دے پاؤں یہاں آیا تھا
گرم ہے آج تلک بھی وہ اکیلا بستر

اب تو بے سائباں لوگوں میں بسر ہوتی ہے
تم نے آواز نہ دی میرے ہی گھر میں رہ کر

ہم تو برسوں سے ہیں مخمور نگاہی کے اسیر
اپنی آنکھوں کو جھکاؤ کہ بڑھاؤ ساغر

مجھ کو احساس کہاں ہوگا اکیلے پن کا
تم تو رہتے ہو ہمیشہ کی طرح ساتھ اکثر

جس کو چھونے سے تھکن دور ہوا کرتی تھی
میرا وہ لمحہ شاداب کہاں ہے نیتر

شعر کہتا ہوں ہمیشہ بچ کے طرز عام سے
ہر غزل کی ابتدا کرتا ہوں تیرے نام سے

غم شناسوں کے لئے یہ وقت ابھی موزوں نہیں
گفتگو ہوگی کسی دن گردشِ ایام سے

آپ سے ہم مطمئن تھے دشمنی جب تک رہی
دل مگر گھبرا رہا ہے دوستی کے نام سے

تہمت دیوانگی کس گھر سے ہو کر آئی ہے
پارسائی زد میں آئی پیار کے الزام سے

کاسٹہ وریوزہ دے کر اہل فن کے ہاتھ میں
زندگی سوئی ہوئی ہے کس قدر آرام سے

محرموں کی طرح ہم کب تک پس پردہ رہیں
کب تلک جیتے رہیں ہم مصلحت کے نام سے

رقص پروانہ پہ رہتی ہے یہاں سب کی نظر
کس کو ہمدردی ہے نیر شمع کے انجام سے

نظر بچا کے مری چشمِ تر میں رہتی ہے
وہ ایک پیاس جو پہلی نظر میں رہتی ہے

رئیسِ شہر تو ہے کاسۂ تنہی کی طرح
انا تو صرف فقیروں کے گھر میں رہتی ہے

اسی لئے ہی تو ذہنی تھکن نہیں ہوتی
ترے خیال کی خوشبو سفر میں رہتی ہے

وہ ایک لاش جسے دفن کر کے بھول گئے
سنا ہے اب بھی سیجا کے گھر میں رہتی ہے

ترے بدن کی مہک جو کسی بھی گل میں نہیں
کبھی کبھی وہ نسیمِ سحر میں رہتی ہے

قلندروں کی رفاقت میں مل گئی نیر
وہ اک خوشی جو غمِ معتبر میں رہتی ہے

کب تلک ہم بھی رہیں بے سرو سامانِ حیات
کو نسی رُت میں رفو ہوگا گریبانِ حیات

اب تو ٹوٹا ہوا آئینہ بھی ہاتھوں میں نہیں
کون سلجھائے گا اب زلفِ پریشانِ حیات

زندگانی ! تری پہچان بہت مشکل تھی
ہم فقیروں کی دُعاؤں سے بڑھی شانِ حیات

جس کی خاطر یہاں شبِ بنم نے بہائے آنسو
تشنہ لب اب بھی ہے وہ شامِ غریبانِ حیات

مجھ کو تنہا تو نہ کر دیدہ پریم کی طرح
عمر بھر ساتھ رہا ہے ترا اے جانِ حیات

خونِ ارماں ہے ادھر اور ادھر دل کا لہو
کون سے رنگ سے لکھتا رہوں عنوانِ حیات

کاش ملتی ہمیں چھونے کی سعادت نیر
ماں کے قدموں کی طرح رہتا ہے دامنِ حیات

پایہ جولاں شہر میں اس شخص کو لائے گا کون
 ایسے دیوانے کے سر پر تاج پہنائے گا کون
 زندگی کے درد کو تنہا سمجھنے کے لئے
 رات کے شانوں پہ اپنی زلف بکھرائے گا کون
 خون دل سے لکھ رہا ہوں زندگی کا مرثیہ
 ایسی حالت میں مجھے اب چھوڑ کر جائے گا کون
 کس بلندی پر میں رہتا ہوں نہیں معلوم ہے
 سطح میں لوگوں کو اتنی بات سمجھائے گا کون
 زندگانی پھر ترے آئینہ خانوں کے لئے
 پتھروں کے شہر سے اب جا کے ٹکرائے گا کون
 دل کی دھڑکن دوست کی مانند میرے ساتھ ہے
 ایسی باتوں سے مجھے اب پھر سے بہلائے گا کون
 یوں تو اس آئی ہے نیرِ تازہ موسم کی ہوا
 پیار کی خوشبو سے میرے گھر کو ہکائے گا کون

ان آنکھوں میں پھیلا ہوا کاجل نہ ملے گا
لیلیٰ کے لئے پھر کوئی پاگل نہ ملے گا

خود اپنی ہی باہوں میں سمیٹے ہوئے رہیے
کل موسم گل میں کوئی آنچل نہ ملے گا

آتی ہی رہیں گی یہاں کچھ ٹھنڈی ہوائیں
جو لوٹ کے برسے وہی بادل نہ ملے گا

جو کچھ بھی محبت میں ملے باندھ کے رکھنا
جو آج میسر ہے تمہیں کل نہ ملے گا

تسکینِ نظر کے لئے اک عمر پڑی ہے
تہذیبِ نظر کے لئے اک پل نہ ملے گا

تلوار کبھی ہاتھ سے گرنے نہیں دینا
کل تیرے خیالات میں کس بل نہ ملے گا

اُلجھے گی حیات اور خرد مندوں سے ناتوا
جز رسمِ جنوں کوئی تمہیں حل نہ ملے گا

حیدر آباد ہوں میں، میرے مقابل تو ہے
میری مہکی ہوئی تہذیب کا قاتل تو ہے

کون لب رو کے گا بڑھتے ہوئے طوفانوں کو
تجھ کو اندازہ نہیں ہے، لب ساحل تو ہے

کتنے دھندلائے ہوئے ہیں ترے چہرے کے نقوش
آئینہ دیکھ تو لے کس کے مقابل تو ہے

ہر نئی صبح، نئی شکل دکھاتا ہے ہمیں
جانے کن لوگوں میں اک عمر سے شامل تو ہے

کتنے اتار مٹا ڈالے نئے نام کے ساتھ
پہلی اور آخری اس شہر کی مشکل تو ہے

کل کوئی چھین کے لے جائے گا مسندِ تیری
خوش نہ ہونا کہ ابھی زینتِ محفل تو ہے

سب کے سب شہر میں لا علم ہیں نیر کی طرح
جانے کس محفلِ بے نام کا حاضری تو ہے

حیدر آباد

پیار ہم سب کو ملے تازہ اُجالوں کی طرح
جگمگاتا رہے یہ شہر چراغوں کی طرح

آسمانوں کی بلندی کو بھی چھو لیتی ہے
اس کے ذروں کی چمک چاند ستاروں کی طرح

دوستو! روشنی تقسیم کہاں ہوتی ہے
سب علاقے ہمیں پیارے ہیں عزیزوں کی طرح

ہم کو ہر سمت سے ملتی رہے تازہ خوشبو
ہم چمکتے ہیں ہر رات میں گلابوں کی طرح

یہ چین سب گاہے خوشبو کا سفر ہے سب کا
ہم تروتازہ رہیں گے ہلچھولوں کی طرح

وقت آجائے تو مل جائیں گے ہم خانہ بدوش
ماں کے قدموں میں وطن دوست شہیدوں کی طرح

سُہیل کی پہلی سالگرہ پر

سُہیل ! میرے گھرانے کا ایسا تازہ گلاب
 کہ جس کے جسم میں چندن کی تازہ خوشبو ہے
 جو مسکرائے تو آنکھن میں پھول مسکائیں
 فلک کے زینے سے تارے اتر کے آجائیں

سُہیل ! میرے قبیلے کا ایسا اک مہتاب
 کہ جس کی نرم سنہری سی، چاندنی ہر دم
 رہے گی تازہ آجالوں کی طرح پھیلی ہوئی
 ہمارے گھر کے ہر اک گوشہ مٹھی کے لئے

سُہیل ! میرے گھرانے کا ایسا اک شہکار
 کہ جس کے ہونٹوں سے ادب تپکتا رہتا ہے

ہراک نفس میں ہراک لمحہ روشنی کی طرح
ہراک نفس میں ہراک لمحہ تازگی کی طرح

مہکتے ہونٹ، تبسم نواز یہ چہرہ،
نگاہ تیز، شگفتہ بدن، کنول جیسا
کشیدہ ابرو، طبیعت میں تو گل و گلزار

ترے یہ بکھرے ہوئے مہکے مہکے سے گیسو
دراز پلکیں، رُنیوں کی چلمنوں کی طرح
تمام گھر کے لئے ایک ایسا تحفہ ہے
کہ جس کو چھو کے نسیم سحرِ سنور جائے
کہ جس کو دیکھ کے ہماری تھکن اتر جائے

چشم انتظار

خوشبو کی لہر شامل جذبات ہو گئی
 صحن چمن میں پھولوں کی برسات ہو گئی
 یہ بھی شگفتہ موسم گل کا ہی فیض ہے
 بچھری ہوئی صبا سے ملاقات ہو گئی

ٹھہری ہوئی ہے کب سے یہاں چشم انتظار
 مجھ کو رہا ہمیشہ محبت پہ اعتبار
 اس فصل گل میں بچھڑے ہوئے دوست کیلئے
 گھر اپنے لوٹ آیا ہے پھر موسم بہار

تو خود ہی اپنی ذات سے ہے ایک انجمن
 تجھ میں ہے اب بھی اپنے قبیلے کا بانگین
 ظاہر ہے تجھ سے اب بھی وہی سرحدی وقار
 اترے نہ تیرے جسم سے پھولوں کا پیرہن

اگلے برس بھی آنا اسی سادگی کے ساتھ
 خوشبو کا اک سفر ہے تری زندگی کے ساتھ
 رشتوں کی بھیر میں کبھی تنہا رہوں نہ میں
 ہر رت میں آتے رہنا اسی تازگی کے ساتھ

نیر! مرا ہے دوست بھی وہ کاملِ صفات
 جس کے کوم کی آس میں ہے تشنہ لبِ حیات
 اُس کی ہتھیلیوں پہ بھی اشکوں کے پھول رکھ
 اب کے برس بھی لوٹ نہ جائے وہ خالی ہاتھ

دُور بھی ہو پاس بھی ہو

عید کا چاند ہوتا تم، دُور بھی ہو پاس بھی ہو
 چشمِ پرِ نعم بھی ہو ہکا ہوا احساس بھی ہو
 جب نہ اہٹ ہے نہ بچل ہے نہ پر کیف فضا
 دل کے دروازہ پہ کیوں آتی ہے دستک کی صدا
 کون اُبٹھا ہے چمکے سے رگِ جاں کے قریب
 دل کے اسگن میں اُتر آیا ہے کیوں عکسِ حبیب
 ہے سفر جاری، خیالوں کی گزر گاہوں سے
 آرزو دید کی لوٹ آئی ہے بازاروں سے
 عید کا دن بھی گذر جائے گا خوابوں کی طرح
 جانے کب آؤ گے تم تازہ اُجالوں کی طرح
 عید کا چاند ہوتا تم، دُور بھی ہو پاس بھی ہو
 چشمِ پرِ نعم بھی ہو ہکا ہوا احساس بھی ہو

دلوں کے آئینے

ہمارے شہر میں کچھ اس طرح آپ آئے ہیں
 قدم قدم پہ کئی پھول مُکراٹے ہیں
 بڑے خلوص سے ہم اپنے مہمان کے لئے
 دلوں کے آئینے ہاتھوں میں لے کے آئے ہیں
 یہ سرزمینِ دکن ہے نصیب والوں کی
 یہاں کی مٹی نے نیلم کئی اُگاٹے ہیں
 خلوص پیار، وفا جن کا خاص مسلک ہے
 ہم ایسی بزم میں دل کے چراغ لاٹے ہیں
 اسی لئے یہاں خوشبو ہے تازہ پھولوں کی
 یقین ہے آپ گلستاں سے ہو کے آئے ہیں
 ہزاروں لوگ صبا کا لباس پہنے ہوئے
 بھری بہاریں کچھ پھول چھننے آئے ہیں

نقوش

یہ کون آیا ہے محفل میں زندگی کی طرح
 دھلی دھلی سی سحر بن کے روشنی کی طرح
 ہیں فرشِ راہ بھی کون آنے والا ہے
 ہے عطر بیز فضا، دائمی خوشی کی طرح
 نئے سفر میں بھی خوشبو کی لہر چلتی رہے
 نقوش چھوڑیے پابند دوستی کی طرح
 ہمیں بتائیے ہم کس کو ٹوٹ کر چاہیں
 خلوص آپ کا ملتا ہے آپ ہی کی طرح
 نئی فضاؤں میں بھی دوستوں کا پاس ہے
 نظر نہ آئے کوئی کاسہ تہی کی طرح
 کسی بھی گوشہٴ محفل میں ڈھونڈ لو نیر
 لموں کا میں تمہیں شائستہ زندگی کی طرح

اعزاز

کس کے اعزاز میں پھولوں سے سجی ہے محفل
 اس قدر صاف نہ تھا پہلے کبھی آئینہ دل
 کس کی خاطر یہاں احباب چلے آئے ہیں
 کس لئے ہونٹوں پہ پھولوں کو سجلائے ہیں
 کس لئے عطر میں ڈوبا ہوا ہے صحنِ چمن
 کس لئے ہے یہاں بدلا ہوا پھولوں کا چلن
 کس لئے دامنِ گلشن میں ہیں ہلکے ہوئے پھول
 کون ہے محفلِ احباب میں اتنا مقبول
 غالباً بزم میں اعزاز کی دولت کی طرح
 کوئی آئے گا یہاں صاحبِ عظمت کی طرح
 جس کی عظمت کا ہر اک دل پہ ہے اک گہرا اثر
 جس کی خدمات کا ہے ذکر یہاں شام و سحر

جس کے لہجے میں ہمیشہ رہی نغموں کی مٹھاس
 جس کے ہونٹوں پہ رہی ہے یہاں اوروں کی پیاس
 جس کے ہر کام سے ملتا رہا منزل کا نشان
 جس کی اب چشمِ کرم بن گئی ہے فیضِ رساں
 ایسا اک شخص ہی اب زینتِ محفل ہے یہاں
 باوقار ایسا ہی اب عظمتِ محفل ہے یہاں
 آپ تا عمر مہکتے رہیں بھولوں کی طرح
 زندگی گزرے یہاں تازہ گلابوں کی طرح

ایک صبح کے نام

تمام عمر کچھ اس طرح آپ ہم میں رہے
 چراغ جیسے غریبوں کی جھونپڑی میں جلے
 مہک رہے تھے جو برسوں سے ذہن اور دل میں
 کھلے ہیں پھول وہ محنت کشوں کی محفل میں
 غریب لوگوں کے دل میں بھی کچھ اُجالا ہوا
 جو بد نصیب تھا کل تک، نصیب والا ہو
 کچھ ایسا ہو کہ کسی لب پہ آج پیاس نہ ہو
 کچھ ایسا ہو کہ کوئی بھی یہاں اُداس نہ ہو
 جہاں جہاں یہ بھی مہکیں گے جسم پھولوں کے
 وہاں وہاں یہ رہیں گے قدم اُجالوں کے

بچھے لوگ

صف بہ صف لوگ تھے کتنے ہی سوالوں کی طرح
آپ محفل میں جب آئے تھے اُجالوں کی طرح
دل کی دہلیز پہ دھپک سے چلے ہوں جیسے
آپ اس طرح چلے آئے چراغوں کی طرح
لوٹ کر شہر جب آپ آئے تھے برسوں پہلے
صف میں ہم بھی تھے کھڑے تازہ سوالوں کی طرح
ہم ہیں شاو ابی گلشن میں برابر کے شریک
ہم نہیں ہیں یہاں ٹوٹے ہوئے خوابوں کی طرح
ہم گل تازہ ہیں مہکے ہوئے گل دانوں کے
ہم یہاں تھے ہی نہیں خالی مکانوں کی طرح
وضع داری پہ کبھی حرف نہ آیا اپنی
گو بدلتے رہے حالات سوالوں کی طرح

جب سنا ہم نے کہ رخصت ہوئی جاتی ہے بہار
 دل پہ ہر لمحہ گراں ہے کئی برسوں کی طرح
 زندگی بھر کی تھکن ٹوٹ کے رہ جاتی ہے
 جب بکھر جاتے ہیں کچھ لوگ سوالوں کی طرح

اپنے جب مل کے جدا ہوتے ہیں دل دکھتا ہے
 لوگ کیوں آتے ہیں محفل میں فسانوں کی طرح
 کچھ مچھلے لوگ تھے وہ بھی ہوئے رخصت نیر
 کون ملتا ہے یہاں ہم سے عزیزوں کی طرح

کل کا ہندوستان

یہ ہلکے ہلکے شگفتہ سے پھول جیسے بدن
گلابِ تازہ کی مانند مسکراتے ہوئے
یہ نو ہلالِ چین ہیں، وطن کا مستقبل
ہر ایک رت میں رہیں گے جو زینتِ محفل
یہ روشنی کے امیں ہیں، ہمارے گھر کے چراغ
شگفتہ دل ہیں تو ہیں ان کے پھول جیسے دماغ

یہ بچے کل جو مہکتے تھے ماں کے دامن میں
یہ بچے گھومتے رہتے تھے کل جو آنکھوں میں
یہ بچے آج ہیں اسکول، مدرسوں کی طرف
رواں دواں کسی ہلکے ہوئے بدن کی طرح
یہ بچے ہاتھوں میں جن کے کبھی کھلونے تھے
اب ان کے ہاتھوں میں ہیں کاپیاں، کتابیں قلم
خوش آمدید کرے گا انھیں ہر اک موسم

بنیں گے اُن میں سے کچھ ڈاکٹر، پروفیسر
 کچھ انجینیر بنیں گے تو بعض صنعت کار
 کچھ ان میں غالب و اقبال ہوں گے کچھ ٹیکور
 کچھ ان میں حافظ شیراز اور کالیداس
 یہ بچے قوم کی تاریخ ہیں امانت ہیں
 یہ بچے ملک کی دولت، وطن کی عظمت ہیں

انھیں یہ کہنا ہے اسلاف کی امانت ہو
 انھیں بتانا ہے جو روشنی کا مصرف ہے
 انھیں بتانا ہے یہ انجمن سمجھوں کی ہے
 انھیں بتانا ہے یہ روشنی سمجھوں کی ہے

انھیں یہ کہنا ہے مل جل کے سب یہاں رہیں
 نہ کوئی پیار کو ترسے نہ کوئی پیسا سار ہے
 یہ اُن سے کہنا ہے مریم کی آبرو کے لئے
 یہاں کبھی کسی سیتا کی ہو نہ رسوائی
 یہ اُن سے کہنا ہے مسکمی وطن کی دولت ہے
 یہ اُن سے کہنا ہے رادھا بھی گھر کی زینت ہے

عابد علی خاں صاحب (مدیر سیاست) کہہ
حکومت ہند کا صحافتی ایوارڈ
ملنے پر

کس کو نہ ہو گی آپ سے ملنے کی آرزو
آغازِ حرفِ شوق، صحافت کی آبرو

وہ لمحہ نشاط، جو اعزاز بن گیا
کرنے لگا ہے آج بھی بچوں سے گفتگو

تزمین و تازگی سیاست کے واسطے
جلتا رہا دماغ، پکھلتا رہا لہو

ہر اک ورق پہ تازہ گلابوں کے باوجود
محسوس آپ کرتے ہیں باقی ہے جستجو

تہذیبِ عہدِ رفتہ کی ہر ایک بوڑ پر
شائستگی مزاج کی لائی ہے رنگ و بو

ہر لمحہ پرکشش رہی چہرے کی تازگی
منظرِ پیش نہیں نہ ان کی جو بیٹھے تھے روبرو

محدود کب رہی ہیں تبسمِ نوازیں
خوشبو شگفتہ ہونٹوں کی پھیلی ہے چار سو

نیرِ آریہ کس کی ذہنی رفاقت کا فیض ہے
شائستگیِ کن و فناؤں میں ضم ہو گیا ہے تو

کرکٹ کی دنیا میں
اظہار الدین کی تاریخی کامیابی پر

دکن کی آبرو
اظہار!
نگاہِ شمس و قمر
پہن کی تازگی
اظہار،
رئیس فکر و منظر

چمک رہا ہے تو ہندوستان کے ماتھے پر
نئی سحر کے لئے
تازہ روشنی کے لئے

کچھ اتنی تیزی سے ابھرا جبینِ شہرت پر
جی ہوئی ہے نظر تجھ پہ سارے عالم کی
کہ جیسے تو ہے اُجالوں کی سرزمین کا سفیر
کہ جیسے فتح و ظفر کی ہو بولتی تصویر

فضائیں
عطر میں بھگی ہوئی دولہن کی طرح
کھڑی ہوئی ہیں تبسم نواز محفل میں
اتر رہی ہیں سلیقے سے دیدہ و دل میں

نہ جانے کونسی گرمی ہے تیرے ہاتھوں میں
مشاہدات کی زنجیریں خود پگھلتی ہیں
دھلی دھلی سی سحر آئینوں سے چھنتی رہی

دکن کی اکبرو !
اظہر !
نگاہ شمس و قمر

چمن کی تازگی
اظہر !
رئیں فکر و نظر

ہر ایک لمحہ شائستہ تیرے ہاتھ میں ہے
وطن کا پیار ترے دل کی واردات میں ہے

قلی قطب شاہ

لبوں پہ جب بھی قطب شہ کا نام آتا ہے
 خیال بھاگ متی، بزمِ دل سجاتا ہے
 یہ کس کی آگ میں جلنے لگے ہیں پروالے
 کھلاتھا پھول جو اس مقبرے کے دامن میں
 وہ ہر برس تری خوشبو کو ساتھ لاتا ہے
 اک ایسی آواز ہے خوشبو یہاں کی محفل میں
 ادا اس چہرہ بھی تا دیر مسکراتا ہے
 وہ ایک لمحہ اٹاٹا ہے جو محبت کا
 وہ لمحہ بھی کئی برسوں کے بعد آتا ہے
 نگاہِ عشق میں چھوٹا بڑا نہیں ہوتا
 سلوکِ عشق، دلوں کو قریب لاتا ہے

وقا شناس، محبت پسند، دورِ حیات
 خلوص باہمی ورثہ میں چھوڑ جاتا ہے

وفا شناس نگاہیں

جلی تھی شمع جو تہذیبِ عاشقی کے لئے
ہم آج آئے ہیں اس ایک روشنی کے لئے
وہ شہرِ یار کی چاہت ہو یا غریب کا پیار
عظیم ورثہ ہے شائستہ زندگی کے لئے
گلوں کے شہر میں خوشبو کا کوئی موسم ہو
صبا کا فیض ہے جاری ہر اک کلی کے لئے
یسی ہوئی تھی قطبِ شہ کے دل میں بھاگ متی
وفا شناس نگاہوں کی روشنی کے لئے
یہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں یہ عطرِ بیز فضا
یہ کس کا فیض ہے ذہنوں کی تازگی کے لئے
اسے بھی بزمِ قطبِ شہ میں لائیے ٹیڑھے
سمٹ سمٹ کے جو بکھرا ہے دوستی کے لئے

بھاگ متی اپنے سنگن میں

شہرِ وفا میں کل تھے یہاں کون گلِ فشاں
 بکھری ہوئی ہے شہر میں پھولوں کی داستاں
 خوشبوئے تازہ، پیار کے لمحوں پہ مہرباں
 شاہانہ عظمتوں کا تھا ہر لمحہ پروقتار
 برسوں رہی ہے بھاگ متی چشمِ انتظار
 تب شہزادہ گلِ بنا ہے محبت کی یادگار

شہزادہ تخت و تاج کی عظمت سے بے نیاز
 تھا حسن کو بھی عشق کی دایوانگی پہ تاز
 تہذیبِ عاشقی کا تھا ہر لمحہ دل نواز
 نرمی شگفتہ ہونٹوں کی شامل تھی پیاس میں
 خوشبو قلی کی بھاگ متی کے لباس میں

چڑھتی ہوئی ندی کو تھا عاشق پہ اعتبار
 برسوں رہی ہے بھاگ متی چشم انتظار
 تب شہرِ گل بنا ہے محبت کی یادگار

اس سجدہ گاہِ عشق کا ہر ذرہ ہے گواہ
 یکساں رہی ہے سب پہ قطب شاہ کی نگاہ
 با آبرو تھے مندر و مسجد کے خالقانہ
 تھے ہندو مسلم اپنی شرافت کی خود مثال
 خوشبو کا نام لے کے گزرتے تھے ماہ و سال
 ہر ایک رت میں اپنا تھا ماحولِ خوشگوار
 برسوں رہی ہے بھاگ متی چشم انتظار
 تب شہرِ گل بنا ہے محبت کی یادگار

لیکن ہوا کچھ ایسا کہ سب کچھ بکھر گیا
 یہ کیسا زہر اپنی رگوں میں اتر گیا
 اتنا لہو بہا کہ مسیحا کے گھر گیا
 راوہا، طلوعِ صبح سے پہلے پگھل گئی
 سلمیٰ سہاگ رات کے دامن میں جل گئی

پھولوں کا رسی پھوڑ نہ دے قاتلِ بہار
 برسوں رہی ہے بھاگ متی چشمِ انتظار
 تب شہرِ گل بنا ہے محبت کی یادگار

اؤ کہ پھر سے گیتِ محبت کے گائیں گے
 سب کچھ بھلا کے پیار کی شمعیں جلا دیں گے
 کھاؤ قسم کہ اب نہ رہے گا یہاں لہو
 لٹنے نہ پائے شہرِ محبت کی آبرو
 مجروح ہونے جائے کبھی پیار کا وقار
 برسوں رہی ہے بھاگ متی چشمِ انتظار
 تب شہرِ گل بنا ہے محبت کی یادگار

جواہر لال نہرو

بہت ہی سوچ کے میں نے قلم اٹھایا ہے

قلم اٹھایا ہے اُس شخص پر کہ جس کی حیات
ہمیشہ گرمی حالات سے پگھلتی تھی
قلم اٹھایا ہے اُس شخص پر کہ جس کی حیات
چراغ بن کے اندھیروں میں روز جلتی تھی
قلم اٹھایا ہے اُس شخص پر کہ جس کی حیات
کوئی بھی رُت ہو بہر حال مسکراتی تھی
بلا تعین اوقات جگمگاتی تھی !

ہزاروں زخم تھے اہل وطن کے سینے پر
حیات جس کی گلستانِ آرزو کی طرح
خلوص، پیار کے مرہم کو اپنے ساتھ لئے
ہر اک نظر میں ابھرتی تھی روشنی بن کر
ہر ایک لب پہ تھی پھولوں کی تازگی بن کر

بہت ہی سوچ کے میں نے قلم اٹھایا ہے
 قلم اٹھایا ہے اُس شخص پر کہ جس کی حیات
 کروڑوں زخمی دلوں کے لئے مداوا تھی
 کروڑوں بچھتے گھروں کے لئے اُجالا تھی
 حیات جس کی ہمیشہ رہی ہے فیضِ درساں
 حیات جس کی رہی ہے شعورِ راہِ براں

بہت ہی سوچ کے میں نے قلم اٹھایا ہے
 وہ جانتا تھا کہ اشکوں کی آبرو کیا ہے
 وہ جانتا تھا کہ کتنی لہو کی قیمت ہے
 وہ جانتا تھا کہ غربت کی زندگی کیا ہے
 وہ جانتا تھا کہ کٹیہا کی روشنی کیا ہے
 وہ جانتا تھا کہ دامن کو اپنے پھیلائے
 ہزاروں لوگ اک اک بوند کو ترستے ہیں
 کرم کی آکس میں ہر گام پر ٹھہرتے ہیں

بہت ہی سوچ کے میں نے قلم اٹھایا ہے
 کچھ اس طرح سے یہ سوچا ہے احترام کروں
 اُس ایک شخص کا جس کی نظر کی گرمی سے

ستم شعاروں کے اوراقِ دل سُکھتے تھے
اُس ایک آگ سے پتھر کے دل گھمکتے تھے

کچھ اس طرح سے یہ سوچا ہے احترام کروں
دل و نظر ہی نہیں، جذبہ عقیدت بھی
شعور و فکر کی عظمت پہ خود ہی ناز کرے
کبھی نہ سازشی لمحوں سے ساز باز کرے

بہت ہی سوچ کے میں نے قلم اٹھایا ہے
کچھ اس طرح سے یہ سوچا ہے گفتگو کر لوں
عظیم رہنما، نہرو کی زندگانی سے
کہ آج زہر میں ڈوبی ہوئی فضاؤں میں
سمٹ نہ جائیں کہیں صاحبانِ فہم و ذکا
دل و نگاہ میں چھائے نہ زیندگی کی فضا
اندھیرے، شب کی نگاہوں کا زہر پی پی کر
اُجالے مانگنے والوں سے ہمکنار نہ ہوں
خزاں پسند کبھی شاملِ بہار نہ ہوں
بہت ہی سوچ کے میں نے قلم اٹھایا ہے

پس دیوارِ شب

(نذر اندرا گاندھی)

یہ ہم بھی جانتے ہیں روشنی کا قتل ہوا
مگر یہ قتل تسلسل ہے اُن اندھیروں کا
کہ جن کے زہر سے لپٹی ہوئی رداؤں میں
بہت سے چہرے تو اپنے ہی جیسے ملتے ہیں
یہ اور بات کہ شکلیں جدا جدا سی ہیں

کبھی وہ شکلیں
اُبھرتی ہیں دوستوں کی طرح
کبھی وہ شکلیں اُبھرتی ہیں
دشمنوں کی طرح

یہ ہم بھی جانتے ہیں روشنی کا قتل ہوا
مگر یہ قتل تو اُس ایک روشنی کا ہے
کہ جس کے نام سے بڑھتا رہا وطن کا وقار
کہ جس کے فیض سے چلتی رہی نسیم بہار

اندرا گاندھی

صدائیں کتنی ہی نزدیک و دور سے آئیں
 مگر کسی کی بھی آواز دل کو چھو نہ سکی
 سنائی دیتی رہی ہم کو اک وہی آواز
 گلابِ تازہ کی نازک سی پنکھڑی کی طرح
 جو بھینی خوشبو کو پیراہنِ بدن میں لئے
 اچھوتے لہجے میں تا دیر مسکراتی تھی
 اجالا بن کے ہر اک سمت پھیل جاتی تھی

نظر بلند، صداقت پسند وہ رہبر
 شگفتہ ذہن، شرافت نگاہ، دیدہ ور
 کرم نواز، تروتازہ زندگی کی طرح
 ہر ایک رت میں رہا، بیہاں پہ فیض و سلا
 ہر ایک رت میں اٹھاتا رہا ہے ہارِ گراں

زمانہ دیتا ہے قربانیوں کی جس کی مثال
 تو اُس عظیم گھرانے کی ایسی خوشبو تھی
 کہ تیرا نام ہمیشہ حبسین بھارت پر
 حسین چاند کی جھومر کی طرح چلے گا

ہر ایک دور میں ہم جیسے شاعروں نے یہاں
 ہزار نغمے لکھے ہیں ہر ایک صبح کے نام
 کبھی بہار کے نغمے، نئی کرن کے لئے
 کبھی تو گیت لکھے، عظمتِ وطن کے لئے

ہر ایک دور میں ہم جیسے شاعروں نے یہاں
 بہت سے لوٹے ہوئے آئینوں کو چن چن کر
 سنبھالے رکھا تھا برسوں اپنے دامن میں
 اک ایسی صبحِ منور کے واسطے جس میں
 ہر ایک چہرہ دکھائی دے روشنی کی طرح
 حسین، صاف، ترقی تازہ زندگی کی طرح

مگر یہ کیا کہ اندھیروں کا جال پھیلائے
 سحر پرستوں کے گھر ایسی صبح بھی آئی

کہ جس کے چہرے پہ تھے ان گنت لہو کے نشاں
کہ جیسے ہونے ہی والا ہے حادثہ کوئی

بہت سی صبحوں سے رشتہ ہے یوں تو اپنا مگر
اس ایک صبح کے دامن پہ لکھ رہے ہیں ہم
لہو سے دل کے اس ہندوستان کی تاریخ
کہ جس کی پہلی کرن خون میں نہاٹے ہوئے
فضائے ہند میں ماتم کناں سحر کی طرح
کھڑی ہوئی ہے ندامت سے سر جھکائے ہوئے

یہ سانحہ نئے ہندوستان کے ماتھے پر
ہمیشہ حرفِ ملامت کی طرح ابھرے گا
یہ سانحہ نئے ہندوستان کی آنکھوں سے
ہر ایک لمحہ کی تاریخ بن کے ٹپکے گا

اَنَا پستند، قلندر مزاج ہم شاعر
کہ جن کو ناز رہا، اپنی رنج کلاہی پر
کہ جن کا سر کسی قائد کے سامنے نہ جھکا
نرمی جناب ہیں اب اپنا سر جھکاتے ہیں

یہ اس لئے کہ ترے جسم سے عہکتی ہے
وفا، خلوص، رواداری، پیار کی خوشبو

یہ اس لئے کہ ہے تیری خمیر میں شامل
عہکتے جھومتے ہندوستان کی خوشبو
یہ اس لئے کہ ہمیں آبِ زرد سے لکھنی ہے
نئی سحر نئے ہندوستان کی تاریخ

ڈاکٹر نروس

علم و فن کے یہ درو دیوار مہکائے گاکون
بے لباسی ہو تو پھولوں کی قبائلائے گاکون

جس کے دم سے کتنے ہی دانش کدے روشن ہوئے
ایسے دیوانے کو بھر سے بزم میں لائے گاکون

اہل فن ایوانِ اردو میں تو آئے ہیں مگر
اب انھیں مسند نشینی کے لئے لائے گاکون

کیسے کیسے لوگ تہہ خانوں کی زینت بن گئے
تازہ تازہ روشنی میں ان کو اب لائے گاکون

اہلِ اردو کتنے ہی خانوں میں بٹ کر رہ گئے
گیسوئے تہذیبِ فتنہ! تجھ کو سلجھائے گاکون

آئینہ خانے میں شہر چند چہرے رہ گئے
کل تمہاری شاعری سننے یہاں آئے گاکون

متاع لوح و قلم

(نذر فیض احمد فیض)

اُس ایک شخص کی محفل میں آگیا ہوں میں
کہ جس کی فکر کی دولت سمیٹنے کے لئے
بہت سے اہل قلم کا سہ تھی لے کر
کھڑے ہوئے ہیں کسی تشنہ لب سحر کی طرح

اُس ایک شخص کی محفل میں آگیا ہوں میں
فضائے ذہن رسا جس کی جگمگاتی تھی
ہمیشہ جس کے قلم سے فضا بدلتی تھی
نئی سحر کے لئے تازہ روشنی کے لئے

وہ ایک شخص پگھلتا رہا جو شام و سحر
کیانہ جس نے اندھیروں سے کوئی سمجھوتہ

گریز جس کو رہا مصلحت شناسی سے
اُس ایک شخص کی محفل میں آگیا ہوں میں

نئی رتوں کے لئے آئینوں سے چھین چھین کر
بنامِ صبح، اُجالوں کا پیرہن اوڑھے
کہاں کہاں نہ گیا زندگی کی چاہت میں
مناشرے کی رگوں میں کبھی لہو بن کر
ٹپکتا رہتا تھا ہر سمت پھیل جاتا تھا
وہی تھی جس کو اُجالوں کی سرزمین کی تلاش
بکھر گیا جو فضا میں کرن کرن کی طرح
اُس ایک شخص کی محفل میں آگیا ہوں میں

اُس ایک شخص کی محفل میں آگیا ہوں میں
متاعِ لوح و قلم جس سے چھین گئی تھی کبھی
کہ خون دل میں ڈوبی تھیں انگلیاں جس نے
نئی حیات، شگفتہ مئی زندگی کے لئے
اُس ایک شخص کی محفل میں آگیا ہوں میں

اس ایک شخص کی محفل میں آگیا ہوں میں
 سلام کرنے اک ایسے عظیم شاعر کو
 بساطِ شعر و ادب پر ہے جس کے دل کا ہو
 نئی غزل کے لئے تازہ فکرو فن کے لئے

اُس ایک شخص کی محفل میں آگیا ہوں میں
 کہ جس کی فکر کی دولت سمیٹنے کے لئے
 بہت سے اہل قلم کا سہ تھی لے کر
 کھڑے ہوئے ہیں کسی تشنہ لب سحر کی طرح
 اُس ایک شخص کی محفل میں آگیا ہوں میں

خراجِ عقیدت

(شاذ تمکنت)

لے کے بزمِ شعر میں نورِ سحر آئے گا کون
 شاذ جیسا تیشہ زن بالے دگر آئے گا کون
 بعد اس کے شہرِ دانش میں بتا خاکِ دکن
 بے نیازِ زندگی، آشفۂ سر آئے گا کون
 خوش نظر، گلِ پیرِ سن، شائستگی، گفتار میں
 بانگین ایسا لئے ہم کو نظر آئے گا کون
 ہے اجلِ شرمندہ اک شاعر کو ہم سے چھین کر
 وضعِ داری ہے نبھانی لوٹ کر آئے گا کون
 جب کبھی الجھائیں ہم کو راستے کے پیچ و خم
 تیری خوشبو لے کے دورانِ سفر آئے گا کون
 دل کے دروازے پہ دستک دے کے ٹوٹا مگر
 زندگی ہے منتظر، پچھلے پہر آئے گا کون
 خود فراموشی کو اپنی ڈھونڈھالنے کے لئے
 آخرِ شب گنگناتا اپنے گھر آئے گا کون

اک چراغ اور بجھا

روشنی !
 سلسلہ نورِ سحر کی صورت
 اپنا احساس دلاتی ہی رہی شام و سحر
 زندگی !
 رقصِ کُناں محفلِ زنداں میں کبھی
 زندگی !
 فیضِ رساں بزمِ نگاراں میں کبھی
 اپنی پہچان کا احساس دلاتی ہی رہی

کوئی شائستہ نظر
 دیدہ وروں کی صف میں
 کیوں نظر آتا نہیں

کب نئی صبح کی وہ پہلی کرن

گھر کے دروازے پہ دستک دے گی
 میں بھی اک عمر سے ہوں چشمِ ہراہ
 منتظر میں بھی ہوں
 اس نورِ سحر کا یارو
 جس کے فیضان سے جاری ہو اُجالوں کا سفر
 کب سے روشن ہے مرا دیدہ تر

اک چراغ اور بجھا
 اور اندھیرے پھیلے

روشنی آئے گی پھر ایک نئی شان لئے
 زندگی رکتی نہیں
 کارواں وقت کا چلتا ہی رہے گا یوں ہی
 اپنے مقصد کے لئے اپنی مشیت کے لئے

اک چراغ اور بجھا
 اور اندھیرے پھیلے

ٹی۔ انجیا

اندازِ گفلگو میں شرافتِ دکن کی تھی

سورج کی روشنی کا تسلسل بنا رہا
ہر دور میں رہا ہے اجالوں کا پاسباں
وہ شخص جو فقیر بھی تھا شہرِ یار بھی
جو بوریانشین بھی، مسند نشین بھی تھا
خوشحال زندگی کا طر فدار ہی نہیں
محنت کشوں کا دوست، مروت شناس بھی
وہ شخص اپنی قدر و فضیلت کے باوجود
بھولا کبھی نہ اپنی غریبی کے روز و شب
تشنہ لبوں کی پیاس تھی جس کی نگاہ میں
وہ شخص بزمِ یاراں سے اٹھ کر چلا گیا

موسم کئی سیاسی بدلتے رہے تو کیا
وہ اپنی وضعِ داری پہ قائم یوں ہی رہا

اُس کی قلت درانہ طبیعت تو تھی مگر
ہر اک سے اُس کا رشتہ بہت باوقار تھا
سب کی نظر میں اُس کا بڑا اعتبار تھا

سادہ مزاج، نرم طبیعت، شگفتہ ذہن
دل تھا گداز جس کا، شرافت نگاہ تھا
تھا فطرتاً شگفتہ روایات کا امین
اردو سے ایک رشتہ دیرینہ جس کا تھا
تہذیبِ زندگی کا مہکتا ہوا شعور
چہرہ پہ جس کے رہتیں تبسم کی سرخیاں
ہر اک ادا میں اس کی محبت وطن کی تھی
اندازِ گفتگو میں شرافت دکن کی تھی

خاک وطن کا قرض چکانے کے بعد وہ
جب مطمئن حیات کی قربت سے ہو گیا
قدموں میں اپنی ماں کے وہ خاموش سو گیا

پُھولوں کی داستاں ہے ہندوستان ہمارا

پُھولوں کی داستاں ہے ہندوستان ہمارا
تہذیب کا نشان ہے ہندوستان ہمارا

خوشبو مہک رہی ہے پُھولوں کے سیر میں سے
آنکھوں میں تازگی ہے رنگینی چمن سے
گلشن کی کیاریوں میں بادِ صبا چلی ہے
سراک کلی چمن کی انگڑائی لے رہی ہے
پُھولوں کی داستاں ہے ہندوستان ہمارا
تہذیب کا نشان ہے ہندوستان ہمارا

یو نہیں رہے گی باقی اپنے وطن کی عظمت
حبِ وطن سلامت کیا جان کی حقیقت

نظریں ملیں اجل سے اک زندگی کی خاطر
 اندھیائے منہ چھپائے اک روشنی کی خاطر
 صدیوں سے پاسیاں ہے ہندوستان ہمارا
 تہذیب کا نشان ہے ہندوستان ہمارا

ہیں وقت کی امانت، ہم وقت کی صدا ہیں
 جھٹکتے ہوؤں کے حق میں ہم غصہ یا وفا ہیں
 بکھرا رہے ہیں ہر سو ہم روشنی وطن کی
 ہم کو بہ غور دیکھو، رونق ہیں انجمن کی
 سب پر یہ مہرباں ہے ہندوستان ہمارا
 تہذیب کا نشان ہے ہندوستان ہمارا

بنار شکِ فردوسِ ہندوستان

بنار شکِ فردوسِ ہندوستان
ہکھنے لگے ہیں زمین، آسماں

جواہر کی موتی کی یہ سمر زمیں
ہراکِ ذرّہ دلکش ہراکِ شے حسین
ہراکِ نغمہ جاں فزا، دل نشیں
زمیں پر اُتر آئی ہے کہکشاں
بنار شکِ فردوسِ ہندوستان

ہے پھولوں کے رخسار پر تازگی
فسردہ دلوں کی بجھی تشنگی
خود اپنے پہ نازاں ہے اب زندگی

بتدریج بڑھنے لگا کارواں
بنارشکِ فردوسِ ہندوستان

چمکنے لگی آج ارضِ وطن
چمکنے لگی انجمن ، انجمن
بکھرنے لگا آج حُسنِ چمن
رگِ گل میں ہے آج خونِ رواں
بنارشکِ فردوس ، ہندوستان

ہر اک سمت پھیلا ہے نورِ سحر
چمکنے لگے ہیں سب ہی بام و در
اُجالوں میں لپٹی ہر اک رہ گذر
ہر اک گھر میں بختی ہیں شہنائیاں
بنارشکِ فردوسِ ہندوستان

مجھے بہت عزیز ہے

مِرا وطنِ مِرا وطن

مجھے بہت عزیز ہے مِرا وطنِ مِرا وطن
بکھر نہ جائے زندگی کی داستانِ کرن کرن

روشن روشِ قدمِ قدمِ مہک رہے ہیں گلستاں
صبائے خوشِ خرام کے گزر رہے ہیں کارواں
زمین پہ آسمان سے اتر رہی ہے کہکشاں
کسی طرح بھی کم نہ ہو مرے وطن کا بانگین
مجھے بہت عزیز ہے مِرا وطنِ مِرا وطن

جوانِ عزم کی قسم، جوانِ خون کی قسم
وفا کی رہ گزارِ پراٹھے گا مہیرا ہر قدم

نظر نہ آئیں گے کبھی یہ راستوں کے بیچ و خم
 ہوائے گرم سے کبھی بجھے نہ شمعِ انجمن
 مجھے بہت عزیز ہے مرا وطن مرا وطن

نظر کی روشنی تو کیا میں دل کاخوں پہاؤں گا
 روشِ روش پہ پیار کے کئی دیئے جلاؤں گا
 قدم قدم پہ عظمتِ وطن کے گیت گاؤں گا
 لبوں پہ مسکراہٹیں ہیں سر پہ ہے مے کفن
 مجھے بہت عزیز ہے مرا وطن مرا وطن

میرے پیارے وطن میرے ہندوستان

میرے پیارے وطن میرے ہندوستان
تیری خوشبو سے ہرکار ہے گلستاں

پھر سے انکڑائیاں لے کے آئی بہار
ہے چمن کا ہر اک گوشہ اب نغمہ بار
صبح روشن سے ہے زندگی کا وقار
شب کی زلفوں میں بکھری ہے اب کہکشاں
میرے پیارے وطن میرے ہندوستان

میکدے میں نہ اب کوئی پیاسا رہے
چشمِ ساقی سے ہر اک سنا سار ہے
جنبشِ لب سے ہر پھول تازہ رہے

سب پہ یکساں رہے تیرا فیضِ رواں
میرے پیارے وطن میرے ہندوستان

ایک آواز ہر انجن میں رہے
سرفروشی اسی باتکین میں رہے
تیری مٹی کی خوشبو کفن میں رہے
تیرے قدموں میں ہے زندگی کا نشان
میرے پیارے وطن میرے ہندوستان

ہم کو پیارا اپنا وطن ہے

ہم کو پیارا اپنا وطن ہے
پھول کئی ہیں ایک چمن ہے

شبنم شبنم اپنے آنسو
گلشن گلشن اپنی خوشبو

صحن چمن میں رقصِ کرن ہے
ہم کو پیارا اپنا وطن ہے

جب بھی چمن ویران ہوا ہے
ہم نے دل کا خون دیا ہے
جب بھی ہمارے ہونٹ ہلے ہیں
ویرانوں میں پھول کھلے ہیں

مہکا مہکا پھول بدن ہے
ہم کو پیارا اپنا وطن ہے

آؤ وفا کے مچھول کھلائیں
اندھیاروں میں دیپ جلائیں
رشتہ دل گر ٹوٹ بھی جائے
اپنی وفا پر حرف نہ آئے
اپنی نظر میں حسنِ چمن ہے
ہم کو پیارا اپنا وطن ہے

عزمِ سفر ہے منزل منزل
نورِ سحر ہے محفل محفل
راہ وفا میں چلتے رہیں گے
بڑھتے قدم پیچھے نہ ہٹیں گے
عزمِ جواں ہے سر پہ کفن ہے
ہم کو پیارا اپنا وطن ہے